ہفت روزہ

# ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

یکم تا 7 صفر المظفر 1430ھ / 29 تا 4 فروری 2009ء

## امریکی مذہبی بنیاد پرستی کے مظاہر

امریکہ کی سیاسی پالیسی سازی کا عمل (process) مذہب سے کبھی خالی نہیں رہا، خاص طور پر مشرق وسطیٰ سے متعلق پالیسی میں اس کا عمل دخل کچھ زیادہ ہی نمایاں رہا ہے۔ اس کی وجہ سیاسی میدان میں بشارۃ الانجیل کا عقیدہ رکھنے والے بنیاد پرستوں اور مسیحی صیہونیت کے علمبرداروں کا دباؤ اور خاص طور پر جارج ڈبلیو بش کی انتظامیہ کا طبعی میلان ہے جس کے سیاسی نظریات اور فیصلے ان کے نظریات کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ''دہشت گردی'' کے خلاف عالمی جنگ اسی دباؤ کا نتیجہ ہے جس کے تحت اسرائیلی وزیر اعظم کو غزہ اور مغربی کنارے کی فلسطینی آبادی سے قصابوں جیسا سلوک کرنے کی کھلی چھٹی مل گئی، جب کہ عراقی عوام کے خلاف بھی ابھی تک سفاکانہ جنگ جاری ہے۔ مسیحی صیہونیوں کا کہنا ہے کہ اسرائیل جو بھی کام کر رہا ہے، وہ اللہ کے احکام کی پیروی میں کر رہا ہے، اسے قابل معافی سمجھا جائے اور اس کی حمایت کی جائے حتیٰ کہ ہم لوگوں کو اس کی تعریف بھی کرنی چاہیے۔ اسرائیل جو کچھ بھی کرے اس پر بُرا ماننے کی ضرورت نہیں...... اللہ چاہتا ہے کہ یہ کام اسی طرح ہونا چاہیے۔ اِس سوچ کی پشت پر اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ ''یسوع مسیح اس وقت تک زمین پر واپس نہیں آ سکتے جب تک یہ واقعات رونما نہ ہو جائیں: یہودی فلسطین میں واپس آ جائیں، یروشلم کا کنٹرول سنبھالیں اور ہیکل کی دوبارہ تعمیر کریں۔ پھر ہم سب مل کر اس آخری معرکے میں شریک ہو جائیں، جسے ملحمۂ کُبریٰ (Armageddon) یعنی حق و باطل کی آخری لڑائی کہا جاتا ہے۔

دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کے معصوم شکار

ڈاکٹر ایم اے سلوی

اس شمارے میں

اوباما امریکہ کو قابل قبول بنائیں

توبہ کی فضیلت اور رحمت الٰہی

آخرت پر ایمان

غزہ پر اسرائیلی حملے
ڈاکٹر اسرار احمد کا انٹرویو

''قرآنی'' روح جب بیدار......

''میں'' تنظیم میں کیسے شامل ہوا؟

ظالم بادشاہوں کو پڑنے والے جوتے

کوڑل فقیر اور ہمارے حکمران

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

# سورۃ الاعراف

(آیت 54)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۣ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿54﴾ ﴾

’’کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر جا ٹھہرا۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اُسی نے سورج، اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا، سب اسی کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو، سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے)۔ یہ اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔‘‘

اللہ رب العالمین نے چھ دنوں میں آسمان اور زمین پیدا کیے۔ ان دنوں سے مراد ہمارے دن نہیں۔ قرآن میں ہے، اللہ کا ایک دن ہمارے حساب سے ایک ہزار برس کا بھی ہے، پچاس ہزار سال کا بھی۔ ابھی یہ چھ دن متشابہات میں سے ہیں۔ مزید سائنسی انکشافات سے ان کی حقیقت کھل گئی تو یہ محکمات میں آ جائیں گے۔ پھر اللہ عرش پر متمکن ہوا۔ عرش بھی متشابہات میں سے ہے۔ اس کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔ ہوسکتا ہے واقعتاً یہ کوئی مجسم شے ہو اور کسی جگہ پر واقع ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محض استعارہ ہو۔ عالم غیب کی یہ ساری خبریں مستقل طور پر آیات متشابہات میں ہی رہیں گی۔ عالم آخرت میں داخل ہونے کے بعد ہی ان کے حقائق منکشف ہوں گے، البتہ Scientific Phenomenon وغیرہ ہیں، اُن کے بارے میں تدریجاً بعض آیات متشابہات اب محکمات کی شکل اختیار کر چکی ہیں اور بعض کر لیں گی۔ (واللہ اعلم)

وہ اوڑھاتا ہے رات پر دن یعنی رات کو دن کے ساتھ ڈھانپ دیتا ہے اور وہ اُس کے پیچھے لگا ہوا آتا ہے یعنی دن رات کے پیچھے اور رات دن کے پیچھے۔ اُس نے سورج، چاند اور ستاروں کو پیدا کیا اور یہ سب اُس کے حکم سے اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ، اُسی کے لیے ہے خلق اور امر۔ مطلب یہ ہے کہ اُسی نے ہی کائنات تخلیق کی ہے اور اب اُسی کا حکم ہے یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ یعنی اوامر و نواہی کا خیال رکھو۔ لیکن خلق اور امر کے الفاظ کا ایک گہرا مفہوم بھی ہے اور وہ یہ کہ کائنات کی تخلیق دو سطح پر ہوئی ہے۔ ایک عالم خلق ہے اور دوسرا عالم امر۔ امر تو عدمِ محض سے تخلیق ہے۔ اس میں Time factor بالکل نہیں، نہ کسی مادے کی ضرورت ہے۔ اس کا معاملہ کن فیکون کا ہے۔ البتہ عالمِ خلق میں کسی شے سے کوئی دوسری شے بنتی ہے، جس میں وقت لگتا ہے۔ جیسے رحم مادر میں بچے کی تخلیق سات سے نو ماہ میں ہوتی ہے۔ اسی طرح بیج سے پودا بننے میں وقت لگتا ہے۔ عالم امر کے متعلق جان لیجیے کہ اس میں تین چیزیں ہیں وحی، فرشتے اور روح۔ ان میں Time factor سرے سے ہے ہی نہیں۔ فرشتے اور روح کو زمین سے آسمان تک پہنچنے میں ذرا وقت نہیں لگتا۔ عالم خلق اور عالم امر کے قوانین اور ضابطے الگ الگ ہیں۔ آخر میں فرمایا، بہت بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

## فرمان نبوی ﷺ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

# دعوت الی الخیر

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ......)) (رواہ مسلم)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس شخص نے کسی نیک کام کی طرف (کسی بندے کی) رہنمائی کی تو اس کو اس نیک کام کے کرنے والے بندے کے اجر کے برابر ہی اجر ملے گا۔‘‘

**تشریح:** لوگوں کو بھلائی کی طرف دعوت دینا اور برائی سے روکنا پیغمبرانہ مشن ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کی جدوجہد سے کسی دوسرے آدمی نے برائی چھوڑ کر نیکی اختیار کر لی تو نصیحت کرنے والے کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا خود نیکی کرنے والے کو۔

"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

**قیام خلافت کا نقیب**

ہفت روزہ — لاہور

# ندائے خلافت

جلد 18 — یکم تا 7 صفر المظفر 1430ھ — 29 تا 4 فروری 2009ء — شمارہ 4

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

**مجلس ادارت**

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

**مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:**

67۔اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور۔54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 10 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......300 روپے
بیرون پاکستان

انڈیا------------------(2000 روپے)
یورپ ایشیا افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ کینیڈا آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے



"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں





ایوب بیگ مرزا


بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# صدر اوباما امریکہ کو قابلِ قبول بنائیں

20 جنوری 2009ء کو باراک حسین اوباما ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے پہلے سیاہ فام صدر کی حیثیت سے حلف اُٹھا رہے ہیں۔ گویا مارٹن لوتھر کنگ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ آٹھ سال سے یعنی بش جونیئر کے عہد کے دوران امریکہ اخلاقی اور تہذیبی لحاظ سے پستی کی اتھاہ گہرائیوں تک پہنچ گیا تھا، لیکن ایک سیاہ فام کے صدر منتخب ہونے سے امریکی قوم کا امیج یقیناً بہت بہتر ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ بش دور میں سپریم پاور ہونے کے باوجود امریکہ کا امیج پاتال تک کیوں پہنچا اور سیاہ فام صدر کے منتخب ہونے سے امریکی امیج جو بہتر ہوا ہے، اس کا اثر کب تک قائم رہے گا؟ یعنی اگر بش دور کی پالیسوں میں نظر آنے والی تبدیلیاں نہیں ہوتیں تو پھر کیا ہوگا؟ جہاں تک امریکی امیج کے عروج و زوال کا تعلق ہے، ہمیں اِس سے خاص دلچسپی نہیں ہے۔ ہمارے لیے اہم یہ ہے کہ عالمی امن کا کیا بنے گا؟ عالم اسلام سے کیا سلوک ہوگا؟ آخری اور اہم ترین بات یہ کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان جو عالم کفر کو ایٹمی قوت ہونے کی وجہ سے کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، اُسے کس حد تک برداشت کیا جائے گا؟ چند ماہ پہلے پاکستان میں امریکی سفیرہ نے سوالیہ انداز میں ایک بات کہی تھی۔ اس سوال کا اگر مدلل اور حقیقت پسندانہ جواب دے دیا جائے تو یہ بات سمجھ آ جائے گی کہ بش دور میں امریکی امیج زوال پذیر کیوں ہوا تھا؟ بلکہ صحیح تر الفاظ میں عوامی سطح پر دنیا کی اکثریت میں امریکہ کے خلاف شدید ردّ عمل کیوں پیدا ہوا تھا اور اوباما کو امریکی امیج بلندیوں کی طرف لے جانے کے لیے کس نوع کی کوششیں کرنا ہوں گی۔ امریکی سفیرہ کا سوال یہ تھا کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم پاکستان کو اتنی امداد دیتے ہیں لیکن پھر بھی پاکستانی ہم سے شدید ناراض ہیں اور ہمیں بُرا سمجھتے ہیں۔ اِس سوال کا جواب دو حصوں میں دیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ کہ کاش! آپ ہمیں یہ امداد نہ دیتے یا اللہ ہمارے بڑوں کو یہ توفیق دیتا کہ وہ اپنے اندر اتنی اخلاقی جرأت پیدا کرتے اور امداد قبول کرنے سے انکار کر دیتے اور اپنی ضرورتوں کے لیے اللہ پر توکل کرتے۔ شب و روز کی سعی و جدوجہد سے اپنی حالت سدھارنے کی کوشش کرتے۔ اب رہا سوال کہ اتنی امداد حاصل کرنے کے باوجود پاکستانی عوام آپ سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟ گزارش یہ ہے کہ جو طبقہ خصوصاً ہماری سیاسی قیادت جو آپ کی امداد سے فیض یاب ہوتی ہے اور اِس امداد سے اُن کی زندگیوں اور ان کے خاندانوں کے status میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے، وہ آپ سے قطعی طور پر ناراض نہیں، وہ آپ ہی کا دم بھرتے ہیں اور آپ ہی کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ محترمہ! اگر آپ اور آپ کے اہلِ وطن پاکستانی عوام سے دوستانہ اور خوشگوار تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی پالیسیوں میں تبدیلی لانا ہوگی اور یہ تجاویز کی صورت میں ہم آپ کے نئے صدر، جن سے دنیا کو بڑی امیدیں وابستہ ہیں، اُن کی خدمت میں بھی پیش کرتے ہیں۔ (1) جیو اور جینے دو کی پالیسی پر عمل پیرا ہوں۔ جس طرح امریکیوں کی سلامتی، اپنی سرزمین، فضا اور امریکی سمندروں کا تحفظ آپ کی ذمہ داری ہے اسی طرح دوسروں کو بھی اپنی سلامتی اور تحفظ عزیز ہے۔ (2) قدرتی وسائل اور معدنیات کی دولت جس سرزمین میں ہو وہاں کے عوام کی دولت ہے، کسی دوسرے کا اس پر کوئی حق نہیں۔ (3) دوسروں کے سیاسی معاملات میں دخل اندازی حکومتیں بنانے اور گرانے کی پالیسی کا مکمل خاتمہ کیا جائے۔ اِس منافقت کو ختم کریں کہ ایک طرف جمہوریت کو اپنے ایمان کا حصہ بتائیں اور دوسری طرف بادشاہتوں اور آمریتوں کو سہارے مہیا کریں۔ امریکہ کے نئے صدر جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اِن تجاویز پر عمل درآمد کرتے ہوئے افغانستان اور عراق سے اپنی فوجیں نکال لیں، مشرق وسطیٰ سے اپنے فوجی اڈے ختم کر دیں، اسرائیل کی سرپرستی ترک کر دیں، اپنی ضرورت کے لیے وہاں سے پٹرول عالمی نرخوں پر خریدا کریں، پاکستان کے حکمرانوں کو نت نئے احکامات دینے سے باز رہیں اور مکمل طور پر ایک آزاد ریاست کی طرح ڈیل کریں۔ بھارت جو پاکستان کا ازلی دشمن ہے، اُس سے جیسے چاہیں تعلقات رکھیں لیکن (باقی صفحہ 13 پر)

# خوشحال خاں کی وصیّت

[بال جبریل]

قبائل ہوں ملّت کی وحدت میں گُم
کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!
مغل سے کسی طرح کمتر نہیں
قہستاں کا یہ بچۂ ارجمند
کہوں تجھ سے اے ہم نشیں دل کی بات
وہ مدفن ہے خوشحاؔل خاں کو پسند
اڑا کر نہ لائے جہاں بادِ کوہ
مغل شہسواروں کی گردِ سمند!

---

خوشحال خان خٹک پشتو زبان کا حُریت پسند اور صاحبِ دیوان شاعر تھا۔ اُس کی کم وبیش ایک سو بلند پایہ نظمیں پشتو زبان سے انگریزی میں، اور بیشتر کلام اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ وہ اپنے وطن افغانستان کو سلطنتِ مغلیہ سے آزاد کرانے کا خواہاں تھا۔ اورنگ زیب کے عہد میں اُس نے متعدد پٹھان قبیلوں کو اکٹھا کر کے سلطنتِ مغلیہ سے زبردست معرکہ آرائی کی۔ تاہم صرف ایک آفریدی قبیلہ تھا جو آخر دم تک اُس کے ہم رکاب رہا۔ علامہ اقبال کے نزدیک خوشحال خان خٹک ایک ایسی شخصیت تھے، جنھوں نے آزادی کی خاطر تمام عُمر مغلوں کے خلاف نبرد آزمائی میں گزار دی۔ پانچ اشعار پر مشتمل یہ مختصر نظم خوشحال خان کے شجاعانہ کردار کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ فرماتے ہیں:

1۔ خوشحال خان نے مرتے وقت، افغان قبائل کو یہ وصیت کی کہ اے مسلمانو! تم نے اپنے آپ کو قبائل میں تقسیم کر کے اپنی قوت کو منتشر کر دیا ہے۔ علاوہ بریں یہ قبائلی زندگی، اور جماعتی تقسیم مذہب و ملت کے اصول کے بھی خلاف ہے، اس لیے تم سب قبائلی امتیازات کو مٹا کر ایک قوم بن جاؤ۔

2۔ خوشحال خان کہتے ہیں کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ کوہستان کا ہر نوجوان اپنے اندر عزم بلند پیدا کرے اور یہ حقیقت ذہن نشین کرے کہ میں مغلوں سے کسی طرح کم نہیں ہوں، اس لیے ان کو مجھ پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

3۔ یہ وہ افغان نوجوان ہیں جو بہادری، شجاعت اور پامردی میں مغلوں سے کسی طور بھی کم نہیں ہیں۔ (قہستان افغانستان کے ایک حصے کا نام ہے)

4,5۔ خوشحال خان کہتے ہیں کہ یہ علاقہ تو خیر تیرا اور میرے ہم وطنوں کا ہے۔ اس پر مغل فوجوں کی یلغار کیسے برداشت ہو سکتی ہے؟ مجھے تو اپنی قبر کے لیے بھی ایسی جگہ پسند ہے جہاں مغل شہسواروں کے قدموں سے اُڑتی ہوئی خاک بھی نہ پہنچ سکے۔

مراد یہ ہے کہ ایک حُریت پسند اور جنگجو سپاہی کی حیثیت میں خوشحال خان کا سینہ مغلوں کے خلاف شدید نفرت کی آماج گاہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ مغلوں نے اُس کے ملک پر غاصبانہ قبضہ کر کے افغان باشندوں کی آزادی سلب کر لی ہے۔ یہی جذبہ تھا جس کے تحت وہ ساری عُمر مغلوں کے خلاف نبرد آزما رہا۔

# توبہ کی فضیلت اور رحمتِ الٰہی کی وسعت

**مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی لاہور میں بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے خطاب جمعہ کی تلخیص**

[آیاتِ قرآنی کی تلاوت، حدیث زیرِ درس کے بیان اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! آج کی نشست میں جس حدیث کا درس دینا مقصود ہے، وہ اربعین نووی کی آخری حدیث ہے۔ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری سے متعلق ہے۔ آپ نے اکثر یہ سنا ہوگا کہ بندے کی اپنے مالک سے تعلق کی کیفیت بین الخوف والرجاء ہونی چاہیے۔ اُسے اللہ تعالیٰ کے عذاب، اُس کی سزا اور پکڑ کا خوف بھی ہو اور اُس کی شانِ غفاری اور شانِ رحیمی سے امید بھی رہے۔ یہ چیز من جملہ اُن چیزوں کے ہے، جن میں درمیانی راستہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے درمیان بہت باریک سا فرق ہوتا ہے، جسے محاورۃً تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی سے آدمی اِدھر بھی ہوسکتا ہے اور اُدھر بھی۔ یہی معاملہ خوف اور رجا کا ہے۔ اگر دل اللہ کے خوف سے خالی ہو جائے، اور رجائیت ہی باقی رہ جائے، تو آدمی تباہ ہو جائے گا۔ اِسی طرح اگر اللہ کے خوف کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ اللہ کی شانِ غفاری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے تب بھی ہلاکت و بربادی ہے۔

قرآن مجید تقویٰ، خوف اور خشیت کی تلقین سے بھرا پڑا ہے۔ اِس میں انذار، تخویف اور خشیتِ الٰہی کی طرف دعوت دینے کا رنگ غالب ہے۔ لیکن اِس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے رجا اور امید کے پہلو کو بھی نمایاں کیا ہے۔ اِس سلسلے میں سورۃ الزمر کی آیت 53 بہت اہم ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام گناہوں کی مغفرت کی امید دلائی ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾

”(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں سے) کہہ دو کہ میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔“

وہ لوگ جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی گناہوں میں پڑ گئے، گناہ اپنی ذات پر ظلم ہے۔ اِس سے انسان اپنا حقیقی مستقبل آخرت بھی برباد کرتا ہے، اور دنیا میں اِس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اِس سے آدمی کی شخصیت بھی کی طرف چلی جاتی ہے۔ اے نبی، ایسے لوگوں کو مغفرت کی امید دلائیے، انھیں بتائیے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ وہ سب گناہ معاف کر دے گا۔ وہ غفور رحیم ہے۔

عیسائیوں نے قرآن مجید پر اعتراض کیا ہے کہ اِس میں اللہ کے خوف پر بہت زیادہ زور ہے جبکہ انجیل میں اللہ کی محبت کا زیادہ وزن ہے۔ یہ درست ہے کہ قرآن میں خوف اور خشیتِ الٰہی کا رنگ غالب ہے، لیکن یہ بات ہرگز قابلِ اعتراض نہیں۔ خوف کے غالب ہونے کے دو بنیادی اسباب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ اگرچہ قرآن حکیم ابدی کلام ہے۔ تمام زمانوں اور اقوام کے لیے ہے، لیکن ظاہر ہے اِس کا نزول ایک خاص ماحول، علاقے اور خاص قوم پر ہوا۔ یہ خاص قوم جو قرآن کی اوّلین مخاطب تھی، اُس کی حالت یہ تھی کہ وہ توحید، رسالت، شریعت اور کتاب سے بالکل واقف نہ تھی۔ وہ اُمّی تھی اور اخلاقی پستی کی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ قرآن مجید میں انذار اور تخویف کا رنگ اِس لیے نمایاں کیا گیا ہے، تاکہ یہ لوگ ہوش میں آجائیں۔ چنانچہ کہیں فرمایا: ﴿اَلْقَارِعَةُ ○ مَا الْقَارِعَةُ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ○﴾ کہیں یہ انداز آیا ہے: ﴿اَلْحَاۗقَّةُ ○ مَا الْحَاۗقَّةُ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاۗقَّةُ ○﴾ کہیں یومِ حساب کے تذکرہ میں فرمایا: ﴿عَمَّ يَتَسَاۗءَلُوْنَ ○ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ○ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ○﴾ دوسری وجہ یہ ہے کہ محبت کے رمز آشنا بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ عوام کی اکثریت بُرے نتیجے اور خوفناک انجام کے ڈر سے برائی اور زیادتی سے باز رہتی ہے۔ لوگوں کے لیے سب سے زیادہ ضروری شے انذارِ آخرت ہے، جوابدہی کا خوف ہے۔ اِسی لیے سورۃ النازعات میں فرمایا:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝﴾

”اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں روکتا رہا اس کا ٹھکانا بہشت ہے۔“

البتہ یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ قرآن میں تخویف اور خشیتِ الٰہی کے رنگ کا غالب ہونا اپنی جگہ، لیکن اِس میں محبت کا پہلو بھی موجود ہے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ﴾ (البقرہ:165) ”اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت کرنے والے ہیں“۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ اہلِ ایمان اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور اُس کی راہ میں جہاد سے محبت کریں، لیکن یہ محبت زبانی کلامی محبت نہیں، بلکہ یہ تب معتبر قرار پاتی ہے، جب یہ دنیا و مافیہا کی ہر چیز کی محبت سے بڑھ کر ہو۔ سورۃ التوبہ میں فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰي يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾

”کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔“

دیکھو، اپنا جائزہ لے لو۔ اپنے من کے اندر ایک ترازو کھڑی کرلو۔ ایک میزان تو کل قیامت کے دن قائم ہو گی، ایک آج تم اپنے باطن میں نصب کرلو۔ اِس میزان کے ایک پلڑے میں ”یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ پیوند“ کی آٹھ محبتیں رکھ لو، اور دوسرے میں اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور اُس کی راہ میں جہاد، یعنی اُس کے دین کے غلبے کی جدوجہد سے محبت رکھو۔ اگر اللہ اُس کے رسول ﷺ اور جہاد کی محبت کا پلڑا بھاری ہے، تو یہ اللہ کی رضا کی علامت ہے۔ اور اگر آٹھ محبتوں والا پلڑا بھاری ہے۔ اور باطل نظام کے غلبے پر راضی ہوئے بیٹھے ہو، اُس کے خاتمے کی جدوجہد سے کوئی غرض نہیں تو پھر ایمان کا دعویٰ کیسا؟ یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی بات ہے۔ قرآن حکیم میں منافقین کی بابت فرمایا:

﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹﴾
(البقرہ)

”یہ (اپنے پندار میں) اللہ کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں مگر (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے اور اس سے بے خبر ہیں۔“

آج جو حدیث زیر درس ہے اس میں رجائیت کا پہلو ہے۔ انسانوں میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک قنوطیت پسند ہوتے ہیں اور دوسرے یاسیت پسند۔ مزاجوں اور میلان کا تھوڑا بہت فرق ہونا بھی چاہیے۔ اِس لیے کہ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی راستہ کیا ہے، اصل رویہ جو مطلوب ہے وہ کیا ہے۔ نفسیات کی دو اصطلاحات ہیں: ”introvert“ (دروں بین)، ”extrovert“ (بروں بین) ان دونوں کی درمیانی حالت ”ambivert“ (دروں بینی اور بروں بینی کے دونوں رجحانات کی حامل شخصیت) ہے۔ اِس پر قائم ہونا بہت مشکل، بہت محال ہے۔ نوعِ انسانی میں کامل ترین ”ambivert“ جن کو اِس مقام پر پورا تمکن حاصل ہے، وہ صرف ایک ہیں، اور وہ ذات محمدی ﷺ ہے۔ اِسی طرح چاہیے کہ آدمی کو خوف بھی رہے اور امید بھی ہو۔ اِس کیفیت کے معاملے کا نقطۂ کمال حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول ہے: فرماتے ہیں، اگر مجھے بتا دیا جائے کہ تمام انسان جنت میں جائیں گے سوائے ایک کے (اور وہ دوزخ میں جائے گا) تو مجھے اندیشہ ہوگا کہ شاید وہ ایک میں ہی ہوں۔ اور اگر مجھے یہ بتا دیا جائے کہ تمام انسان دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک کے (اور وہ جنت میں جائے گا) تو مجھے یہ امید ہو گی کہ شاید وہ ایک میں ہی ہوں۔“ ہر بندۂ مومن کے اندر یہ ایمانی کیفیت ہونی چاہیے۔ اگرچہ یہ آسان نہیں، بہت مشکل ہے، تاہم اِس کے لیے کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

”رجا“ کا لفظ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے۔ یہ ایک تو ”اللہ کی ملاقات اور رحمت کی امید“ کے لیے آیا ہے، اور دوسرے ”آخرت کی امید“ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ”آخرت کی امید“ کے لیے اِس لیے آیا کہ آخرت جہاں بدکاروں اور گناہ گاروں کے لیے ڈرنے کی جگہ ہے، وہاں نیکوکاروں اور اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے والوں کے لیے امید اور بشارت کا مقام بھی ہے۔ اِن دونوں حوالوں سے اِس کے استعمالات کے لیے چند آیات ملاحظہ کیجیے:

سورۃ الاحزاب کی مشہور آیت ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝۲۱﴾

”بے شک تمہاری رہنمائی کے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ نمونہ اس شخص کے لیے ہے جسے اللہ (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔“

یعنی نبی کریم ﷺ کی ہستی میں تم سب کے لیے ایک بہت عمدہ، کامل، معتدل اور متناسب نمونہ موجود ہے، تم اس کی پیروی کرو۔ لیکن ساتھ ہی بتا دیا کہ اِس کامل نمونہ سے استفادہ وہی کرے گا جو اللہ سے ملاقات اور اُس کی رحمت کا امیدوار ہوگا، جو آخرت کا امیدوار ہوگا۔ جو اللہ اور آخرت بھلا دے گا، وہ اِس کامل نمونہ سے استفادہ نہ کر پائے گا۔

سورۃ الانشقاق میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝۷ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝۸ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۹﴾

”اے انسان! تو اپنے پروردگار کی طرف (پہنچنے میں) خوب کوشش کرتا ہے، سو اس سے جا ملے گا۔ تو جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے حساب آسان لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے گھر والوں میں خوش خوش آئے گا۔“

سورۃ الممتحنہ میں فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۝۶﴾

”تم (مسلمانوں) کو یعنی جو کوئی اللہ (کے سامنے جانے) اور روزِ آخرت (کے آنے) کی امید رکھتا ہو اسے ان لوگوں (یعنی حضرت ابراہیمؑ اور ان کے رفقاء) کی نیک چال چلنی (ضرور) ہے۔“

سورۃ الکہف میں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝۱۱۰﴾

”کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (وہی) ایک معبود ہے۔ تو جو اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے، چاہیے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔“

سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہوا:

﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ﴾ (آیت:5)

”جو شخص اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو اللہ کا (مقرر کیا ہوا) وقت ضرور آنے والا ہے۔“

یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں، مصیبتیں جھیل رہے ہیں اور تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں، وہ یہ سب کچھ اِس لیے کر رہے ہیں کہ انہیں امید ہے کہ کل اللہ کے حضور حاضری ہو گی اور اللہ ہمیں اِن سرفروشیوں، جانفشانیوں اور قربانیوں کا اجر عطا فرمائے گا۔ لیکن کبھی شیطان اُن کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے، اور شیطان کی راہ چلنے والے لوگ بھی یہ کہتے ہیں تم اپنے آپ کو کیوں ہلکان کر رہے، پتہ نہیں وہ دن آنا بھی ہے یا نہیں، کوئی یقینی بات تو نہیں، آخرت کس نے دیکھی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے اِن نیک بندوں کو یہ یقین دلاتا ہے کہ آخرت کا وہ وقت معین آ کر رہے گا۔ وہاں ہر ایک کو اُس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔

سورۂ بنی اسرائیل میں مشرکین کے بارے میں فرمایا کہ یہ مشرکین اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں یعنی انبیاء، صدیقین، اولیاء اللہ اور ملائکہ وہ تو خود اللہ کے قرب کی تلاش میں اور اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ وہ بھی اللہ کے عذاب سے بالکلیہ نڈر نہیں۔ فرمایا:

﴿اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِـيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝۵۷﴾

”یہ لوگ (مشرکین) جن کو (اللہ کے سوا) پکارتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ (تقرب) تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون ان میں (اللہ کا) زیادہ مقرب (ہوتا) ہے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں۔ بے شک تمہارے پروردگار کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔“

اب آیئے، حدیث زیر درس کی طرف!

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: يَا ابْنَ آدَمَ! اِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِيْ وَرَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ عَلٰى مَا كَانَ مِنْكَ وَلَا اُبَالِيْ، يَا ابْنَ آدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ، يَا

«ابنَ آدمَ! إنّكَ لَوْ أتيتَني بِقُرابِ الأرضِ خطايا ثُمّ لقيتَني لا تُشرِكُ بي شيئًا لأتيتُكَ بقُرابِها مغفرةً» (رواہ الترمذی)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امیدیں وابستہ رکھے گا تیرے اعمال جیسے بھی ہوئے میں تجھے معاف کرتا رہوں گا اور مجھے تیرے گناہوں کی کوئی پروا نہیں۔ اے ابن آدم! تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچ جائیں اور تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے معاف کروں گا۔ اے ابن آدم! اگر تو اتنے گناہ لے کر آئے کہ روئے زمین بھر جائے تو میں تیری اتنی ہی مغفرت کر دوں گا بشرطیکہ تو نے شرک نہ کیا ہو"۔

یہ حدیث حدیث قدسی ہے۔ اس میں اللہ نے اپنی شان غفاری کا ذکر کرتے ہوئے اپنے بندوں کو ہر قسم کے گناہوں کی بخشش کی بشارت دی ہے۔ فرمایا: اے ابن آدمؑ! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگیں اور تو میرے دربار میں گناہوں کا انبار بھی لے کر آ جائے، تو میں تجھے معاف کر دوں گا اور مجھے اِس کی کوئی پروا نہیں۔ ہاں جب تک کہ تو مجھے ہی پکارتا رہے اور مجھ ہی سے استغفار کرتا رہے اور دوسرے یہ کہ مجھ ہی سے امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے، اللہ غفور ہے، وہ مجھے معاف فرما دے گا۔ اللہ کی شان رحیمی نے ہر شے کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

پھر فرمایا، اے ابن آدم! اگر تو اِس حال میں مجھ سے ملے گا کہ تیرے گناہ زمین کے حجم کے برابر بھی ہوئے، لیکن تو نے میرے ساتھ شرک نہیں کیا ہوگا، تو میں تجھے معاف کر دوں گا۔ شرک اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے مغفرت نہیں ہوگی۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا: "اللہ اِس بات کو تو معاف نہیں فرمائے گا کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ اِس کے علاوہ (جو گناہ بھی ہوگا اُس کو) بخش دے گا، جس شخص کے لئے چاہے گا" (آیت:48)

اِس حدیث میں مغفرت اور بخشش کے لیے تین شرطیں آئی ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی اللہ ہی کو پکارتا رہے، اُسی سے مغفرت مانگے، دُعا کرے۔ دوسرے یہ کہ اُسے اللہ کی شان غفاری سے بخشش کی پوری امید ہو۔ اِس یقین سے مغفرت مانگے کہ اللہ مجھے معاف فرما دے گا۔ اور تیسرے یہ کہ وہ شرک کی آلائش سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔

شرک ظلم عظیم ہے۔ اِس کی حقیقت کو سمجھنا آسان کام نہیں۔ شرک کی کئی اقسام ہیں۔ شرک فی الذات، شرک فی الصفات، شرک فی الحقوق، شرک العبادت، اور شرک فی الدعا وغیرہ۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ شرک صرف بتوں کی پوجا کا نام نہیں۔ بسا اوقات انسان اپنی خواہشات نفس کو معبود بنا لیتا ہے اور اُسے پوج رہا ہوتا ہے۔ انفرادی سطح پر آج کے دور کا خوفناک شرک یہی نفس پرستی، اور دولت پرستی ہے۔ اجتماعی سطح پر اِس دور کا سب سے بڑا شرک "انسانی حاکمیت" کا تصور ہے۔ حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کا حق ہے، لیکن موجودہ مغربی جمہوریت نے انسانوں کو حاکم قرار دیا ہے۔ ماضی میں نمرود اور فرعون خدائی کے دعویدار اور حاکمیت کے مدعی تھے۔ آج حاکمیت تمام انسانوں میں تقسیم کر دی گئی۔ گویا وہ نجاست جو ماضی میں ایک شخص کے سر پر رکھی ہوتی تھی، اب اُسے ماشہ ماشہ کر کے سب لوگوں میں بانٹ دیا گیا۔ لیکن نجاست تو نجاست ہی رہے گی......

اسی طرح شرک کی ایک صورت وطن پرستی ہے۔ آج کے دور میں وطن کو معبود بنا لیا گیا ہے۔ قوم کی شیرازہ بندی وطن کی بنیاد پر ہو رہی ہے، حالانکہ یہ ایمان و عقیدہ کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ علامہ اقبال نے وطنیت کے موجودہ تصور پر سخت تنقید کی۔ کہتے ہیں۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

حدیث زیر درس میں اللہ کی ایک شان یہ آئی کہ وہ "غنی" (بے نیاز) ہے۔ قرآن حکیم میں کئی بار اللہ کے غنی ہونے کا ذکر آیا ہے۔ کہیں غنی حمید کہا گیا، کہیں غنی حلیم اور کہیں غنی کریم کہا گیا۔ غنی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اُسے کوئی ضرورت نہیں۔ سورۃ نساء میں فرمایا:

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ﴾ (آیت:147)

"اگر تم شکر اور ایمان کا راستہ اختیار کرتے ہو تو اللہ کو تمہیں عذاب دے کر کیا لینا ہے۔" (اسے کسی کو تکلیف دے کر خوشی نہیں ہوتی)

ایک حدیث قدسی میں اللہ کی شان بے نیازی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اگر تمام جن اور انسان اور اولین اور آخرین سب کے سب اُس انسان کی طرح ہو جائیں جو سب سے بدترین ہے، تب بھی اللہ کی سلطنت میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور اگر تمام جن اور انسان اور اولین و آخرین متقی ترین شخص کی طرح بن جائیں تو اللہ کی سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ (رواہ مسلم)

اپنے بندوں کو توبہ کا موقع دینا اور معاف کر دینا اللہ کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ یہ اللہ رحیم و کریم کا کتنا بڑا فضل ہے کہ وہ اپنے بندوں کو رجوع کرنے اور پلٹنے کا موقع عنایت کرتا ہے۔ عیسائیوں نے اس حوالے سے بہت بڑی ٹھوکر کھائی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ حضرت آدمؑ سے خطا ہوئی تھی، اب اُس کے بعد دنیا میں جو بھی انسان پیدا ہوتا ہے، وہ اپنے باپ (آدمؑ) کی خطا کی گٹھڑی لے کر آتا ہے، یعنی انسان بنیادی طور پر گناہ گار ہے۔ اس کے ازالہ کے لیے (معاذ اللہ) اللہ نے اپنے صلبی بیٹے حضرت عیسیٰؑ کو بھیجا، اور اُسے لوگوں کے گناہوں کے لیے کفارہ بنا کر سولی چڑھوا دیا۔ اِس عقیدہ میں بنیادی غلطی یہ خیال ہے کہ انسان بنیادی طور پر گناہ گار ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کوئی بھی انسان اپنے باپ کی خطا کا بوجھ لے کر دنیا میں نہیں آتا، اس لیے کہ آدم و حوا سے جو خطا ہوئی تھی، اُس پر انہوں نے اللہ سے معافی مانگی اور توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا تھا۔

توبہ کی بڑی فضیلت و اہمیت ہے۔ اِس حوالے سے جہاں بہت سی قرآنی آیات آئی ہیں، وہاں بہت سی احادیث بھی آئی ہیں۔ ذیل میں صرف دو احادیث پیش کی جا رہی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: "اللہ کے کسی بندے نے کوئی گناہ کیا، پھر اللہ سے عرض کیا، اے میرے مالک! مجھ سے گناہ ہو گیا، مجھے معاف فرما دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہوں پر پکڑ بھی سکتا ہے، اور معاف بھی کر سکتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کا گناہ بخش دیا اور اس کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہ سے رُکا رہا، اور پھر کسی وقت گناہ کر بیٹھا، اور پھر اللہ سے عرض کیا، میرے مالک! مجھ سے گناہ ہو گیا، تو اس کو بخش دے اور معاف فرما دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہ و قصور معاف بھی کر سکتا ہے اور پکڑ بھی سکتا ہے، میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف کر دیا۔ اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہ سے رُکا رہا۔ اور کسی وقت پھر کوئی گناہ کر بیٹھا اور پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، اے میرے مالک و مولیٰ! مجھ سے گناہ ہو گیا، تو مجھے معاف فرما دے اور میرا گناہ بخش دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے پھر ارشاد فرمایا کہ میرے بندے کو یقین ہے کہ اس کا کوئی مالک و مولیٰ ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا، اب جو اس کا جی چاہے کرے" (متفق علیہ)

دوسری حدیث مسلم شریف میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "ایک شخص (دوسرے کے اعمال دیکھ کر) کہتا ہے، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ فلاں کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اِس پر اللہ فرماتا ہے، تو کون ہے جو مجھ پر حکم چلانا چاہتا ہے کہ میں فلاں شخص کو معاف نہیں کروں گا۔ بے شک میں نے اُس کو تو معاف کر دیا، اور تیرے سارے اعمال ضائع کر دیے۔"

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں سے بچائے اور سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) (تلخیص: مجیب الحق عاجز)

# آخرت پر ایمان

چودھری رحمت اللہ بٹر
ناظم دعوت تنظیم اسلامی

یہ وہ ایمان ہے جو انسان کے عمل پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ آخرت کا ماننا وہی قابل قبول ہے جو ان تفاصیل کے ساتھ مانا جائے جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں۔ یہی وہ ایمان ہے جو انسان کی مدہوشی دور کرتا ہے اور اسے اپنے کردار و اعمال کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء و رسل کی دعوت کا آغاز اسی ایمان سے ہوا ہے۔ قرآن حکیم میں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا: "اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور (لوگوں کو آخرت کی پکڑ سے) خبردار کرو۔" اگر یہ ایمان کمزور ہو تو پھر اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان صرف علم الکلام اور نعت خوانی تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور بات ٹیبل ٹاک سے آگے نہیں بڑھتی۔ یہی حقیقت ہے کہ جس کو قرآن مجید نے صرف تین آیات میں بیان کردیا ہے۔ سورہ علق میں فرمایا: "ہرگز نہیں، انسان سرکشی پر آہی جاتا ہے جب خود کو بے نیاز پاتا ہے (یعنی کوئی پکڑ نہیں ہو رہی۔ اس کو سیدھا رکھنے والا یہ یقین ہے کہ) اس کو اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔"

انسان جب دیکھتا ہے کہ اس کے اخلاقی اعمال کا کوئی نتیجہ دنیا میں نہیں نکل رہا اور اس پر کوئی پکڑ نہیں ہو رہی تو وہ اپنی حدود سے باہر نکل جاتا ہے۔ چنانچہ ظلم کرتا ہے، دوسروں کا مال ہڑپ کرتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔ اسے اپنی حدود میں پابند کرنے والی ایک ہی بات ہے کہ اسے یقین دلا دیا جائے کہ اس کی پیشی اس کے مالک کے سامنے ہونے والی ہے، جہاں اسے اپنا حساب خود پیش کرنا ہوگا اور اسے اپنے کیے کی جزا و سزا مل کر رہے گی۔ جب اللہ کے سامنے پیش ہونے کے تصور میں کجی آتی ہے یا یہ گمان کرلیا جاتا ہے کہ کوئی پیشی نہیں ہے تو انسان مادر پدر آزاد ہو کر دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے اور اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔

قرآن مجید میں ایسے انسانوں کی مختلف اقسام کا ذکر ہوا ہے جو یا تو آخرت کے انکاری ہیں اور اس بنا پر بے خوف ہو کر گناہ و زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں، یا پھر آخرت کو مانتے تو ہیں لیکن اپنے تئیں یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے محاسبہ نہیں ہوگا، کیونکہ ان کی خاص حیثیت ہے یا وہ کسی پہلو سے خصوصی سلوک کے مستحق ہیں اور نتیجتاً ان کا آخرت کو ماننا بھی انکار ہی کے مترادف ہو جاتا ہے، اس لئے کہ وہ ماننا ان کی سیرت و کردار پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ سورۃ القیامہ کی پہلی دو آیات میں منکرین آخرت کے نظریات کی تردید فرما کر اس حقیقت پر زور دیا گیا ہے کہ قیامت واقعی اور شدنی ہے اور وہاں نیکی بدی کا بدلہ بھی لازماً مل کر رہے گا۔ چنانچہ فرمایا "میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔" (القیامۃ:1) آیت مبارکہ کے آغاز میں حرف "لا" میں تین قسم کے لوگوں کے خیالات کی نفی ہے جو سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں ہوگی اور وہ یہ ہیں:

1) قرآن مجید نے بعض لوگوں کا نظریہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے "یہ لوگ کہتے ہیں، نہیں ہے ہماری زندگی مگر صرف دنیا کی اور ہم (خود ہی) جیتے اور مرتے ہیں اور گردش زمانہ کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو (کوئی اور ہستی زندگی دینے والی اور موت طاری کرنے والی نہیں کہ جس کے سامنے پیش ہونا ہو) درحقیقت ان کو اس کا کچھ علم نہیں بلکہ محض گمان کی بنا پر یہ ایسی باتیں کرتے ہیں۔" (الجاثیہ:24)

2) دوسرا گروہ یہ کہتا تھا کہ دوبارہ اٹھایا جانا اور زندہ کرنا محال ہے جبکہ ہمارا گوشت گل سڑ جائے گا اور ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل جائیں گی۔ ان کا نظریہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے "کیا یہ (نبی) تمہیں یہ اطلاع دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور بس ہڈیاں رہ جائیں گی تو اس وقت تم کو (زمین سے) نکال لیا جائے گا۔ انہونی ہے بالکل انہونی ہے یہ بات جس کا تمہیں وعدہ دیا جارہا ہے۔ زندگی تو بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔" (المومنون:35 تا 37)

یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے: "بھلا آپ نے دیکھا اس شخص کو جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے کے لئے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا۔"

(الماعون:1 تا 3)

واقعہ یہ ہے کہ جب اسے جزا و سزا کا یقین ہی نہیں ہے تو کیوں نہ کمزور کے مال سے فائدہ اٹھائے؟ اور وہ کیوں کسی کو کھانا کھلائے یا کھلانے کے لئے کہے؟ اس کی نظر میں تو ایسا شخص بیوقوف کہلائے گا کہ جہاں سے وہ مال لے سکتا ہو نہ لے اور اپنی آسائش کا سامان مہیا نہ کرے۔ وہ بھلا ایثار کیوں کرے جبکہ اسے ستائش کی کوئی امید ہی نہیں ہے۔

3) منکرین آخرت کا تیسرا گروہ مترفین کا ہے یعنی صاحب ثروت، صاحب اقتدار، مال و دولت والے، جاگیردار اور سرمایہ دار وغیرہ۔ ان کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا "کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تم لے کر آئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں ہیں۔" (سبا:34،35)

سورہ حم السجدہ (آیت:50) میں اس گروہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا "(انسان کی ناشکری کا یہ عالم ہے کہ) اگر ہم اس کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں اس تکلیف کے بعد جو اسے آئی ہو تو کہہ اٹھتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی اور اگر (بفرض محال) میں واقعی اپنے مالک کی طرف لوٹا دیا گیا تو میرے لئے اس کے پاس بہتری ہے (میں وہاں بھی مزے کروں گا)۔

یہ لوگ دنیا کو اتنا پائیدار مانتے ہیں کہ انہیں اس کے ختم ہونے کا گمان تک نہیں ہوتا۔ ان کے دماغوں میں دوسرا خناس یہ سماجاتا ہے کہ دنیا میں مجھے جو مال و دولت سے نوازا گیا ہے تو یہ میری قابلیت اور صلاحیت کی وجہ سے ہے اور یہ میرا حق ہے۔ بالفرض اگر آخرت ہوئی بھی تو وہاں اس دنیا سے بڑھ کر بھلائیاں میری منتظر ہوں گی اور وہاں مجھے بہت کچھ ملے گا، اس لئے کہ میں بڑا باصلاحیت اور خوش قسمت شخص ہوں۔

اس فکری غلطی کو سورۃ الکہف میں دو آدمیوں کی مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے جو دوست تھے۔ان میں سے ایک کو اللہ نے دو باغ دے رکھے تھے اور دوسرے کے پاس دنیا کا مال و دولت نہ تھا۔غریب دوست نے باغ والے کو یاد دلایا کہ اللہ نے تم پر اس قدر احسان کیا ہے تو تم اس کے شکر گزار بنو، تم پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں وہ ادا کرو اور آخرت کی پکڑ کو سامنے رکھو۔دوسرا شخص مال و دولت پا کر اللہ اور آخرت کو بھول چکا تھا۔چنانچہ اس کا روگ اس کی زبان پر آگیا، جب وہ آپس میں بات چیت کرتے ہوئے اس باغ میں پہنچ گئے: ''پس اس نے اپنے (ناصح) سے کہا کہ میں مال و دولت میں بھی تجھ سے بڑھ کر ہوں اور نفری کے اعتبار سے بھی تجھ سے زیادہ طاقتور جتھہ اور جماعت رکھتا ہوں۔پھر وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور اپنے نفس کے حق میں ظالم بن کر کہنے لگا کہ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہوگا اور نہ یہ توقع کرتا ہوں کہ قیامت کبھی برپا ہو گی۔تاہم اگر میں کبھی اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی گیا تو وہاں ضرور اس سے بھی اچھی جگہ پاؤں گا۔'' (الکہف:34 تا 36)

حالانکہ اس دنیا کے مال و دولت کی اصل حیثیت یہ ہے کہ یہ آزمائش کے لئے ہے اور اسی آزمائش کے لئے اللہ نے یہ اونچ نیچ پیدا کی ہے، تاکہ وہ پرکھ لے کہ کون شکر ادا کرنے والا ہے اور کون ناشکرا۔جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ''ہم نے ان کے درمیان سامان زندگی بانٹا ہے اس دنیا کی زندگی میں، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر برتری دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے سکیں اور آپؐ کے رب کی رحمت (قرآن مجید) بدرجہا بہتر ہے اس (مال و دولت) سے جو یہ جمع کر رہے ہیں''۔

سورۃ القیامہ کی دوسری آیت بھی ''لا'' سے شروع ہوتی ہے اور اس ''لا'' سے انسانوں کی تین قسم کے گروہوں کے خیالات کی نفی کی گئی ہے۔ان میں سے وہ بھی ہیں جو قیامت کو مانتے تو ہیں لیکن انہوں نے روز جزا کے بارے میں ایسے نظریات گھڑ لئے ہیں کہ آخرت کی عملی پکڑ کا تصور کالعدم ختم ہو جاتا ہے یا انہیں دھوکہ ہو گیا ہے کہ ان سے باز پرس نہیں ہوگی اور وہ تو بس بخش دیئے جائیں گے۔چنانچہ فرمایا گیا ''نہیں! (تمہارے خیالات درست نہیں ہیں) میں تو قسم کھاتا ہوں نفس ملامت گر کی'' جو تمہیں ہر وقت احساس دلاتا ہے کہ نیکی نیکی ہے اور برائی برائی ہے۔لہٰذا ان کو ایک جیسا خیال نہیں کیا جا سکتا، بلکہ نیکی کا اچھا اور بدی کا برا نتیجہ نکل کر رہے گا۔



# کوڑل فقیر اور ہمارے حکمران

نورا کینہ قاضی

کوئٹہ میں ایک نسبتاً ویران سے علاقے میں ہمارے مختصر سے کرائے کے مکان کے ساتھ ایک وسیع و عریض خالی پلاٹ تھا جس کی چاردیواری بنی ہوئی تھی اور اس میں ایک پھاٹک بھی لگا ہوا تھا۔لیکن کوئی چوکیدار وغیرہ نہ ہونے کے سبب یہ پھاٹک کھلا رہتا تھا۔اس خالی پلاٹ میں ہر سال سبّی سے خانہ بدوشوں کے خاندان آ کر ڈیرہ ڈال دیتے تھے اور یوں وہاں خیمے گاڑ کر رہتے۔تمام گرمیاں وہاں رہنے کے بعد سردیاں شروع ہوتے ہی سبّی واپس چلے جاتے۔یہ زیادہ تر ریڑھی بان، خوانچہ فروش اور راج مزدور قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ان میں چند ایک پیشہ ور بھکاریوں کے خاندان بھی ہوتے تھے، جن کے سب مرد و زن اور بچے شہر کے مختلف حصوں میں جا کر بھیک مانگا کرتے تھے۔یہ ہٹے کٹے تندرست و توانا فقیر قسم قسم کے بہروپ بدل کر ہر روز خوب تگڑی بھیک لے کر آتے۔کام کاج اور محنت مزدوری کرنے والوں کے مقابلے میں ان کی آمدنی کئی گنا زیادہ ہوتی تھی۔انہی پیشہ ور بھکاریوں میں ایک بھکاری کوڑل نامی بھی تھا، جس کی خوب شان ہوا کرتی تھی۔یہ لمبا چوڑا جوان العمر تندرست و توانا بھکاری کمائی کے لیے خاص اہتمام سے جایا کرتا تھا۔اس نے زمین تک پہنچتا ہوا لمبی آستینوں والا سیاہ لبادہ پہن رکھا ہوتا تھا۔انگلیوں میں رنگ برنگے شیشوں کی انگوٹھیاں، کلائیوں میں چاندی کے کڑے، گلے میں رنگارنگ منکوں کی مالائیں اور پیروں میں بھی کڑے پہن رکھے ہوتے تھے۔سر کے لمبے لمبے سیاہ بالوں اور سینے تک پہنچتی گھنی داڑھی پر اس نے مٹی چھڑک رکھی ہوتی تھی۔آنکھیں مرچ ڈال کر سرخ انگارے بنا رکھی ہوتی تھیں۔اُس کے ہاتھ میں اس کے قد سے بھی لمبا موٹا سا عصا ہوتا تھا، جسے وہ چلتے چلتے زور زور سے زمین پر مارتا ہوا حق ہُو کے نعرے بلند کرتا۔اُس کی ظاہری شخصیت ایسی پُراسرار اور پُرجلال معلوم ہوتی تھی کہ لوگ اسے کوئی پہنچا ہوا درویش یا ولی سمجھ کر اسے خوب بھیک سے نوازا کرتے۔یوں وہ یہ روزانہ تقریباً چالیس پچاس روپے کما لاتا۔اگر کبھی کوئٹہ میں سیزن گزارنے کے لیے آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی تو اس کی آمدنی سو روپیہ روزانہ تک بھی جا پہنچتی تھی!

کوڑل کا گھرانہ بے حد خوشحال گھرانہ تھا۔اس کے بیوی بچے عمدہ کپڑے جوتے پہنتے۔ان کے پاس برتن بھی عمدہ تھے اور بستر بھی۔ان کے پاس ٹرانزسسٹر ریڈیو بھی تھا، سلنڈر گیس کا چولہا بھی۔جب کبھی عیدیں آتیں تو کوڑل اپنے بیوی بچوں کو درزی کے سلے ہوئے عمدہ کپڑے پہنواتا، عمدہ جوتے خرید کر دیتا۔خود بھی عمدہ جوتے کپڑے پہن، بن سنور کر اک مرد شریف معلوم ہوتا۔گداگری کے پیشے نے اس کے گھر میں واقعی مَن برسا رکھا تھا۔اس کے واقف حال لوگ بتاتے تھے کہ اس نے بستی میں اپنا پکا مکان تعمیر کروا رکھا تھا اور اس کے تقریباً ساٹھ ستر ہزار روپے بینک میں جمع تھے۔گزشتہ صدی کی ستر کی دہائی میں یہ واقعی ایک بہت بڑی رقم تھی!

کوڑل کی ماں عرصہ ہوا مر چکی تھی۔اس کا باپ زندہ تھا اور اسی کے ساتھ رہا کرتا تھا۔جب تک اس کے قویٰ کام دیتے رہے وہ اپنے آبائی پیشہ یعنی گداگری سے منسلک رہا۔اب وہ بوڑھا اور لاچار ہو کر کسی کام کا نہ رہ گیا تھا۔کوڑل اور اس کی بیوی اس کی خدمت ضرور کرتے تھے لیکن یہ واجبی سی ہی ہوتی تھی۔

پھر ایسا ہوا کہ کوڑل کا باپ شدید بیمار ہو گیا۔کوڑل نے پہلے تو روایتی علاج معالجہ کروایا لیکن جب باپ کی بیماری بڑھتی ہی گئی اور کسی علاج معالجے کا اثر نہ ہونے لگا تو لوگوں نے اسے اپنے باپ کو کسی ہسپتال میں داخل کروانے کا مشورہ دیا۔جسے اس نے یہ بہانہ بنا کر رد کر دیا کہ اس کے پاس ہسپتال میں داخلے، ڈاکٹروں کی فیس اور دواؤں کی قیمتیں ادا کرنے کے لیے کوئی پیسے وغیرہ نہیں ہیں۔اس پر لوگوں نے اسے کہا کہ اس کی جو رقم بینک میں محفوظ ہے وہ اسے نکلوا کر اپنے باپ کا بہترین علاج کروائے۔اس پر وہ صاف مکر گیا۔''کون سی رقم؟ کون سا بینک؟

اس زمانے میں وزیر اعظم بھٹو کی بلوچستان پر فوج کشی کی بدولت کوئٹہ شہر میں امن و امان کی صورت حال بگڑتی چلی جا رہی تھی، جس وجہ سے بغرض تفریح و خریداری باہر سے آنے والوں کی تعداد اب نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔اِس سے کاروباری لوگوں کو تو خسارہ ہونا ہی تھا، بھکاریوں کی کمائی پر بھی برا اثر پڑنے لگا۔انہیں

اب پہلے کی طرح ڈھیروں ڈھیر بھیک ملنی بند ہوگئی۔ کوڑل کا بھی یہی حال ہوا۔ اب اسے بھیک میں جتنی رقم ملتی تھی وہ گھر کا چولہا جلانے کے لیے تو کافی ہو جاتی تھی لیکن اس سے باپ کا علاج بمشکل ہی ہو پاتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ اسے دوا دارو کیے کئی کئی دن گزر جاتے۔ کوڑل اپنے باپ کو لحہ بہ لحہ موت سے قریب سے قریب تر دیکھتا رہتا مگر بے پروا بنا رہتا۔ اسے ایک بار بھی یہ خیال نہ آیا کہ وہ اپنی بینک میں محفوظ رقم نکلوائے اور اس سے اپنے باپ کا تسلی بخش علاج معالجہ کروائے، اس کی خدمت کا حق ادا کرے۔ اس کا باپ یوں ہی جیتا مرتا ایک دن قبر کے گڑھے میں اتر گیا۔

کوڑل فقیر کی کہانی کے تناظر میں اگر اپنے حکمرانوں کے رویوں کو دیکھا جائے تو ان میں حیرت ناک مماثلت دکھائی دے گی۔ صدر آصف زرداری سے لے کر نچلے درجے کے وزراء و امراء تک کوئی ایسا نہیں جس کے غیر ملکی بینکوں میں کروڑوں اربوں روپے نہ جمع ہوں۔ لیکن دگرگوں ملکی معیشت کو سنبھالا دینے کے لیے ان میں سے کوئی بھی اپنی رقم ملک واپس لانے کو تیار نہیں۔ یہ سب بھی جانتے ہیں کہ ان کی یہ دولت جو انہوں نے ہمیشہ سے استحصال زدہ چلے آنے والے عوام کا خون چوس کر اکٹھی کی ہے، محفوظ رہے، اس میں اضافہ ہی ہوتا رہے، اس میں سے کبھی ایک کوڑی نہ نکالنی پڑے۔ ان کی جمع شدی یا سرقہ شدہ دولت پر جو در حقیقت عوام ہی کی دولت ہے، عوام حق رکھتے ہیں کہ اسے ان کی فلاح و بہبود کے لیے اور ملک کی معیشت کے سنبھالے کے لیے استعمال کیا جائے۔ لیکن یہ بڑے بڑے مگرمچھ ایسا کچھ کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ الٹا ہاتھ میں کاسۂ گدائی لیے انتہائی بے غیرتی اور بے حمیتی سے ملک ملک بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ انہیں بھیک ملنے میں جو خاطر خواہ ناکامی ہوئی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ دنیا بھر کے ممالک کو بخوبی علم ہے کہ پاکستانی حکمران کھاؤ اور اڑاؤ قسم کے لوگ ہیں، جنہیں بیرونی امداد کو اپنے ملک اور عوام کے لیے استعمال کرنے کی بجائے اپنے بینکوں میں بھرنے سے زیادہ دلچسپی ہے۔

فرینڈز آف پاکستان ہوں یا چین، ایران اور سعودی عرب جیسے دوست...... کسی نے بھی مالی امداد کے ضمن میں ہمارے حکمرانوں کو تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ ایک حد درجہ غریب اور قابل رحم اقتصادیات کے حامل ملک کے حکمرانوں کے ظاہری ٹھاٹ باٹ سے بھی میزبان ممالک کے حکمرانوں پر اچھا تاثر نہیں پڑتا رہا۔ ہمارے حکمران جہاں کہیں بھی بھیک مانگنے جاتے ہیں بڑی شان سے اپنے ہمراہ سینکڑوں رفقاء کا لشکر لے کر جاتے ہیں۔ دوران قیام شاہانہ طور طرائق اختیار کیے رکھتے ہیں۔ خالی ہوتے ہوئے خزانے کے یوں مسرفانہ ضیاع سے انہیں کبھی ہچکچاہٹ نہیں رہی۔

یہ واویلا اب پرانا ہو چکا کہ ہمارے حکمران، وزراء و امراء اپنی باہر محفوظ دولت کو ملک میں واپس لائیں اور معیشت کو سنبھالا دیں۔ اس واویلا کا ویسے بھی کوئی اثر نہیں ہونا تھا۔ اب تو ملک آئی ایم ایف کے شکنجے میں جکڑا جا رہا ہے، جس سے رہائی کا صرف سوچا ہی جا سکتا ہے۔ یہ شکنجہ ہماری ہر قسم کی آزادی، غیرت و حمیت اور عزت و ناموس کے لیے گویا موت کا حکم ہے۔ گزشتہ حکومتیں ہر چند کہ مثالی نہیں تھیں لیکن انہوں نے کبھی آئی ایم ایف کی ناروا شرائط مان کر ملک کی سالمیت اور خود مختاری کا سودا نہیں کیا۔ یہ کارنامہ موجودہ حکومت ہی کا اعزاز ہے، جس کے حکمرانوں کے بارے میں عوام نے سب کچھ جانتے بوجھتے حسب روایت عقل و خرد کی آنکھیں بند کر کے محض جذبات کی رو میں بہہ کر انہیں اپنے اوپر مسلط کر لیا۔ اب وہ اس کی سزا ہر پہلو سے بھگتیں گے اور ملک کا کیا حال ہوگا، اس کے لیے اللہ سے دعا ہی کی جا سکتی ہے۔

قارئین، آپ ہی بتایئے، کیا کوڑل فقیر کی کہانی اور ہمارے حکمرانوں کی کہانی میں گہری مماثلت نہیں؟

## رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ 1 رفروری 09ء بروز اتوار نمازِ عصر تا 7 رفروری 09ء بروز ہفتہ نمازِ ظہر تک

مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو میں ہفت روزہ

## ملتزم تربیت گاہ

کا آغاز ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت رابطہ: 0333-4311226 042-6316638-6366638

## رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ "مرکز تنظیم اسلامی مسجد جامع القرآن، مین روڈ، سیٹلائیٹ ٹاؤن، سرگودھا" میں

(رابطہ: ڈاکٹر رفیع الدین 0300-9603577)

15 رفروری بروز اتوار نمازِ عصر تا 21 رفروری 09ء بروز ہفتہ نمازِ ظہر تک

## مبتدی تربیت گاہ

اور 20 رفروری بروز جمعہ نمازِ عصر تا 22 رفروری 09ء بروز اتوار نماز نمازِ ظہر تک

## نقباء و امراء تربیت گاہ

کا آغاز ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت رابطہ: 0333-4311226 042-6316638-6366638

☆ غزہ پر اسرائیلی حملے صیہونیوں کی گریٹ گیم کا حصہ ہیں

☆ عرب حکمران امریکہ کی جیب میں ہیں۔ وہ فلسطینیوں کا ساتھ کیسے دے سکتے ہیں

☆ مغربی دنیا اور یہودیوں کو اندیشہ ہے مسجد اقصیٰ کے گرائے جانے پر عالم اسلام میں شدید احتجاجی لہر اُٹھے گی، اُس وقت پاکستان کے ایٹمی اثاثے بنیاد پرستوں کے ہاتھ لگ جائیں گے

☆ غزہ پر اسرائیلی جارحیت کے ردعمل میں پاکستان میں بڑے مظاہروں کا نہ ہونا مایوس کن ہے

☆ پاکستان کے عوام نفاذ اسلام کے ایک نکاتی ایجنڈے پر اکٹھے ہو جائیں

## غزہ پر اسرائیلی حملے کے حوالے سے بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ممتاز قومی روزنامے ''نوائے وقت'' کے لیے خصوصی انٹرویو

ڈاکٹر صاحب سے پوچھا گیا، کیا غزہ پر اسرائیلی حملے کسی گریٹ گیم کا حصہ تو نہیں ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ غزہ پر اسرائیلی حملے صیہونیوں کی گریٹ گیم کا حصہ ہیں۔ گریٹر اسرائیل کا قیام، مسجد اقصیٰ کو منہدم کرنا اور تھرڈ ٹمپل بنانا، ان کی گریٹ گیم ہے۔ اسرائیل میں بھی انتہا پسند موجود ہیں، جو جلد از جلد اس آخری گیم پلان پر عمل درآمد شروع کر دینا چاہتے ہیں۔ دوسری جانب اس وقت صیہونیوں اور امریکیوں سمیت پوری مغربی دنیا کا خیال ہے کہ جب تک پاکستان کے ایٹمی دانت نہ توڑ دیے جائیں اس گریٹ گیم کا آغاز نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ خدانخواستہ جب یہودی مسجد اقصیٰ کو گرائیں گے تو انہیں شدید اندیشہ ہے کہ عالم اسلام میں ایک طوفانی لہر آ جائے گی اور اس میں مغرب کی پٹھو حکومتیں بہہ جائیں گی۔ اور اس وقت پاکستان کے ایٹمی اثاثے فنڈا منٹلسٹ کے ہاتھ آ جائیں گے، لہٰذا وہ اپنی پلاننگ کے مطابق پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو پہلے ختم کر کے، پھر یہ کام کریں گے۔ البتہ اس وقت بش کی رخصتی سے پہلے یہودی بش سے کوئی کام کروا لینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پہلے غزہ کو کسی قدر آزادی دے دی تھی، اب غالباً وہ اُس پر قبضہ کر لینا چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ جو وہاں کا انتہا پسند یہودی ہے وہ اس آزادی دیے جانے پر پہلے بھی ناراض تھا۔ اسرائیلی وزیراعظم شمعون پیریز کے دور میں امریکی صدر بل کلنٹن نے ''لینڈ فار پیس'' کا جو معاہدہ کرایا تھا اس میں یہی تو بات تھی کہ 1967ء کی جنگ میں اسرائیل نے عربوں کے علاقوں پر جو قبضے کیے تھے، اسرائیل اُن کو واپس کرے۔

اِس سوال کے جواب میں کہ کیا اسرائیل کا یہ حملہ غزہ تک ہی محدود رہے گا؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جی ہاں، فی الحال یہی امکان ہے، اِلّا یہ کہ لبنان کی جانب سے حزب اللہ یا شام کی طرف سے شامی فوج بھی اس میں کود پڑے تو پھر یہ بڑی جنگ بن سکتی ہے۔

پاکستان کے خلاف ہنود اور یہود کے گٹھ جوڑ کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ اصل میں بھارت اور اسرائیل کی پاکستان دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ بھارت نے تو ایک دن کے لیے بھی پاکستان کو ذہناً تسلیم نہیں کیا۔ البتہ اُس نے اس معاملے میں کوئی بڑی Confrontation مول لینی نہیں چاہی، کیونکہ پاکستان اپنے قیام کے فوراً بعد ہی امریکی کیمپ میں چلا گیا۔ اگر بھارت پاکستان کے خلاف کوئی اقدام اُٹھاتا تو اس کا مطلب امریکہ سے ٹکر لینا تھا۔ انہوں نے اس کے بجائے اپنی اکانومی کو مضبوط کیا، اور روز بروز اپنا معاملہ بہتر سے بہتر بناتے چلے گئے، اور اس بات کا انتظار کرتے رہے کہ پاکستان کی جو کمزوریاں ہیں وہ ظاہر ہو جائیں۔ ہماری سب سے بڑی کمزوری تو یہ ہے کہ یہ ملک ہم نے اسلام کے نام پر بنایا تھا مگر ساٹھ سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود یہاں اسلام نافذ نہیں کیا گیا۔ اب گویا دنیا یہ کہہ سکتی ہے کہ یہ وقتی نعرہ تھا جو لگایا گیا تھا، ورنہ حقیقت میں تو اسلامی نظام مطلوب تھا ہی نہیں۔

غزہ پر صیہونی حملے پر پاکستان میں ہونے والے ردعمل پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے کہ غزہ پر اسرائیلی جارحیت کے خلاف پاکستان میں بڑے احتجاجی جلوس نہیں نکلے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ اس حوالے سے سب سے بڑا احتجاجی جلوس ترکی میں نکلا ہے، حالانکہ ترکی آخری حد تک سیکولر ملک ہے۔ لیکن پاکستان میں رسپانس انتہائی مایوس کن ہے۔

پاکستانی عوام فلسطینی بھائیوں کی کیا مدد کر سکتے ہیں، کے جواب میں ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ پاکستانی عوام کا اصل کام یہ ہے کہ اسلام کے ایک نکاتی ایجنڈے کے مکمل نفاذ پر جمع ہو جائیں کہ جس نظریے پر ہم نے یہ ملک لیا تھا اس نظریے پر اسے قائم کریں۔ اس کے بغیر عالمی سطح پر ہم مسلم امہ کے لیے کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف عرب ممالک اسرائیل کے خلاف قطعاً ہلنے کو تیار نہیں، حالانکہ ان کے لیے تو بہت آسان ہے۔ اردن کے راستے سے وہاں لوگ بآسانی داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ ممالک فلسطینیوں کی انسانی بنیادوں پر کچھ مدد کرتے ہیں۔ لیکن کھل کر فلسطینیوں کا ساتھ اس لیے نہیں دے سکتے کہ یہ ممالک امریکہ کی جیب میں ہیں اور اپنے دفاع اور تحفظ کے لیے سمجھتے ہیں کہ ہمیں امریکہ کی ضرورت ہے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ ایران ہمیں کھا جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ امریکہ ہی کی بات کریں گے۔

✿✿✿✿✿

# "قرآنی" روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں

محمد سمیع

ملک کے معروف مفکر قرآن ڈاکٹر اسرار احمد فرمایا کرتے ہیں کہ قرآن کی قوت تسخیر سعید روحوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے جس طرح لکڑی کے برادوں میں شامل لوہے کے ذرات کو مقناطیس اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔اس کی مثالیں تو معاشرے میں بے شمار ہیں لیکن میں یہاں جن ساتھی کا ذکر کرنے چلا ہوں وہ میرے رفیق شجاع الدین شیخ ہیں۔یہ نوجوان CA کر رہے تھے۔CA کرنے والوں کی بالعموم خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کا کیریئر شاندار بنے۔جب شجاع الدین شیخ نے CA میں داخلہ لیا ہوگا تو ان کے پیش نظر بھی یہی خواہش رہی ہوگی، لیکن جب انہیں یہ حدیث مبارکہ پہنچی کہ "تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جو قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں" تو ان میں یہ شوق یقیناً پیدا ہوا ہوگا کہ قرآن کریم کی تلاوت تو وہ کرتے ہی ہیں، کیوں نہ عربی زبان سیکھی جائے تاکہ سمجھ میں تو آئے کہ آخر اللہ کا دین ہم سے چاہتا کیا ہے۔شاید اس کے نتیجے میں عمل کا جذبہ پیدا ہو۔لہٰذا "ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی" کے مصداق CA اور قرآن فہمی کورس کا معاملہ ساتھ ساتھ چلتا رہا۔نتیجہ یہ نکلا کہ CA مکمل کرنے کے بعد چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ بننے کا معاملہ تو پس پشت چلا گیا کیونکہ بقول امام ابن حنبلؒ "قرآن وہ دریچہ ہے جس سے انسان آخرت کی زندگی کا مشاہدہ کرسکتا ہے"، جب ان پر آخرت اور دنیا کی کامیابیوں کا موازنہ سامنے آیا تو انہوں نے قرآن کے اس پیغام پر لبیک کہتے ہوئے کہ "آخرت بہتر بھی ہے اور دائمی بھی" انہوں نے قرآن کریم کی درس وتدریس کو حرز جاں بنالیا۔دروس قرآن کا سلسلہ جو شروع ہوا ہے تو "اللہ دے اور بندہ لے" والا معاملہ ہو چکا ہے۔طلبہ کو قرآن کریم کی تعلیم سے روشناس کرانا، اور دروس قرآن کے ذریعہ عوام تک قرآن کا پیغام پہنچانا بس یہی کچھ کام رہ گیا ہے۔باقی کاموں کی فرصت ملے تو کریں۔یہ ہے قرآن کریم کی قوت تسخیر کی ایک زندہ مثال۔اللہ ان کے زور بیان میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے۔آمین

ابھی پچھلے دنوں میں نے انہیں پی آئی اے گارڈن میں سنا۔وہ فرمارہے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے اپنے دن کا آغاز اس حال میں کیا کہ اسے مسلمانوں کے حالات سے دلچسپی نہ ہو، وہ ہم میں سے نہیں۔آج وطن عزیز پر مصایب کا پہاڑ آن پڑا ہے۔اسے اندرونی و بیرونی دونوں محاذوں پر خطرات لاحق ہیں۔صورتحال کی اس سنگینی سے ہم رسول کریم ﷺ کے ارشاد گرامی کی روشنی میں کیسے لاتعلق رہ سکتے ہیں۔آج ہمیں وطن عزیز کی تاریخ کے اس سنگین ترین صورتحال پر پہنچنے کی وجوہات پر غور کرنا ہے، تاکہ ہم میں احساس زیاں تو پیدا ہو۔ان حالات پر غور کے دو زاویے ہو سکتے ہیں۔یا تو مادہ پرستانہ سوچ اختیار کی جائے یا پھر قرآن کریم کے آئینے میں حالات کا جائزہ لیا جائے۔ہم مسلمانوں کے لیے اصل رہنمائی قرآن حکیم کی تعلیمات ہیں۔قرآن پر غور وفکر کیا جائے تو ہمیں سورۃ الانبیاء کی وہ آیت یاد آتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جس میں تمہارا ذکر موجود ہے۔رسول اکرم ﷺ کا وہ ارشاد گرامی بھی ہمارے سامنے آتا ہے جو آپؐ نے قرآن کی مدح میں فرمایا ہے کہ اس میں تم سے قبل والوں کی خبریں بھی موجود ہیں اور بعد والوں کے حالات بھی۔

سورۃ السجدہ میں فرمایا گیا کہ ہم بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزہ چکھاتے ہیں۔آج جب وطن عزیز کو ہر چہار طرف سے خطرات میں گھرا ہوا دیکھتے ہیں تو 1971ء کا سقوط مشرقی پاکستان کی صورت میں نازل ہونے والا عذاب ہمیں چھوٹا محسوس ہوتا ہے۔اللہ نہ کرے، ہم کسی بڑے عذاب کی گرفت میں آجائیں۔آج ہماری صورتحال اس حدیث مبارکہ کے عین مطابق نظر آتی ہے جس میں فرمایا گیا کہ ایک وقت آئے گا جب غیر مسلم اقوام ایک دوسرے کو تم پر ٹوٹ پڑنے کی اس طرح دعوت دیں گی جس طرح دسترخوان پر کھانا چننے کے بعد مہمانوں کو دعوت دی جاتی ہے۔دریافت کیا گیا، کیا اس وقت ہم تعداد میں بہت تھوڑے ہوں گے؟ ارشاد فرمایا: نہیں! تمہاری تعداد تو بہت زیادہ ہوگی لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے پانی پر بہتے ہوئے خس وخاشاک کے مانند ہوگی۔دریافت کیا گیا تو پھر ایسا کیوں کر ہوگا؟ فرمایا کہ اس کی وجہ تمہارا "وھن" کی بیماری میں مبتلا ہوجانا ہے۔دریافت کیا گیا، یہ وھن کیا ہے؟ فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت۔آج آپ اپنے معاشرے اور قائدین پر نظر ڈال لیجئے۔کیا یہ حدیث مبارکہ ہم پر منطبق نظر نہیں آتی۔

موجودہ حالات پر دو اعتبارات سے نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ان حالات تک پہنچنے میں افراد کا کیا کردار رہا ہے اور اجتماعی سطح پر ہماری کون سی بداعمالیاں ہیں جنہوں نے ہمیں اس انجام سے دوچار کیا ہے۔انفرادی سطح پر اسلام کا اولین تقاضا نماز کی ادائیگی کا ہے کہ جس ہستی پر ایمان لائے ہو، اس کے سامنے سر جھکا دو۔اب آپ غور کریں کہ ہماری عظیم اکثریت کا نماز کے حوالے سے کیا معاملہ ہے۔اسی پر دوسری عبادات کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔اسلامی معیشت میں سودی لین دین کو حرام قرار دیا گیا ہے۔سود، جوئے، سٹے وغیرہ سے ہم کس حد تک مبرا ہیں؟ روزی ملنی چاہئے، اس سے کوئی غرض نہیں کہ حرام ذریعہ سے حاصل کی جائے یا حرام ذریعے سے۔ایسی روزی کے ساتھ "مال حرام بود بجائے حرام رفت" والا معاملہ ہوتا ہے۔معاشرتی سطح پر ہمارا دین ستر وحجاب کی پابندیوں کو قبول کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔کتنے لوگ ان احکامات پر عمل کرتے ہیں؟ یہ ہماری وہ چند موٹی موٹی بداعمالیاں ہیں جو آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں، اگر تفصیلات میں جائیں تو اس کے لئے دفتر درکار ہوگا۔اب آپ بتائیں کہ ان حالات میں اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوگا یا ناراض؟ حالات کی سنگینی تو اس کی ناراضی کا مظہر نظر آتی ہے۔

اب آئیے، ہم ذرا اپنی بداعمالیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ہم نے یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا۔ہم نے اول دن ہی ایک ہندو کو وزیر قانون بنا کر قیام پاکستان کے مقصد سے انحراف شروع کیا۔اسلامی قوانین کا نفاذ پیش نظر ہوتا تو یہ تقرر عمل میں ہی نہ آتا۔ہم نے قرارداد مقاصد پاس کروائی لیکن اسے دستور کا عملی حصہ بنانے کی بجائے اس کا دیباچہ بنادیا۔ضیاء الحق کے

دورِ حکومت میں اسے دستور کا عملی حصہ تو بنا دیا گیا لیکن اس کی حیثیت دستور کی دیگر شقوں کے مساوی قرار دی جس سے یہ عملاً غیر مؤثر ہو کر رہ گئی۔ ہم نے دستور میں طے کیا کہ کوئی ایسی قانون سازی نہیں کی جائے گی جو قرآن وسنت سے متصادم ہو، لیکن ایسے عائلی قوانین پاس کئے گئے جن کی متعدد شقوں کو علماء نے غیر شرعی قرار دیا لیکن یہ قوانین اب تک نافذ العمل ہیں۔ سود کے خلاف فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کو اپنے من پسند ججوں کے ذریعہ سبوتاژ کر دیا گیا۔ ہم نے اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی جس کا کام قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے سفارشات مرتب کرنا ہے۔ آج تک کسی حکومت نے اس کی سفارشات کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا۔ ہم نے شرعی عدالت قائم کی، لیکن عائلی، فوجداری اور مالیاتی قوانین اور دستور پاکستان کو اس کے دائرۂ کار سے باہر رکھا گیا۔ اس طرح دستور پاکستان کو منافقت کا پلندہ بنا کر رکھ دیا گیا۔

گزشتہ دورِ حکومت میں کیا کیا نہ ہوا؟ طالبان کی اسلامی حکومت کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے خاتمے کے لئے ہم نے امریکہ سے مجرمانہ تعاون کیا اور افغانستان کی تباہی و بربادی اور افغانیوں کی ہلاکت میں حصہ دار بنے۔ کل کے مجاہدین کو امریکہ کے اشارے پر ''دہشت گرد'' قرار دے کر انہیں قتل کیا گیا اور سینکڑوں کو گرفتار کر کے ڈالروں کے عوض امریکہ کے حوالے کیا گیا۔ اوقاف کی مساجد میں قنوت نازلہ پڑھنے پر پابندی عائد کی گئی۔ حدود آرڈیننس میں علماء کی مخالفت کے باوجود من مانی ترامیم کی گئیں۔ دینی شعائر کا مذاق اڑایا گیا۔ جامعہ حفصہ کے اساتذہ اور اس کے سینکڑوں طلبہ و طالبات کو شہید کیا گیا۔ دنیا میں پاکستان کا سافٹ امیج قائم کرنے کے لئے مخلوط مراتھن ریس منعقد کی گئی اور قوم کی بیٹیوں کو نیکر پہنا کر سڑکوں پر دوڑایا گیا۔ ہندوانہ تہوار بسنت کو سرکاری سرپرستی میں رائج کیا گیا۔ عریانی وفحاشی کا فروغ تو ہر دورِ حکومت میں جاری رہا تاہی، لیکن سابقہ دور میں اس کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے گئے۔ قبائلی علاقوں اور بلوچستان کے عوام کے خلاف فوجی آپریشن جو اس وقت شروع ہوا، تا دمِ تحریر جاری ہے۔

ایمانداری سے بتایئے کہ ان تمام کرتوتوں کے نتیجہ میں کیا ہم نے اللہ کے غضب کو دعوت نہیں دی؟ آپ یہ کہہ کر جان نہیں چھڑا سکتے کہ ان ساری بداعمالیوں کے ذمہ دار ہمارے حکمران ہیں۔ کیا آپ کو نبی کریم ﷺ کا وہ ارشادِ گرامی یاد نہیں کہ تمہارے حکمران تمہارے اعمال ہیں۔ آج اگر ہماری مغربی اور مشرقی سرحدیں غیر محفوظ ہیں، ہمیں بھارت کی طرف سے جنگ کی دھمکیوں کا سامنا ہے، ہمارا ایٹمی پلانٹ دشمنانِ دین کا ہدف ہے تو اس کی وجہ ہماری اپنی بداعمالیاں ہیں، خواہ وہ ان انفرادی ہوں یا اجتماعی۔ سوال یہ ہے کہ کیا اللہ کے عذاب سے جو ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے، بچنے کی کوئی صورت بھی ہے؟ جی ہاں ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے حضور انفرادی اور اجتماعی سطح پر خالص توبہ۔ آیئے، آج ہم عہد کریں کہ ہم اپنے آپ کو اور اپنے زیر کفالت افراد کو ممکنہ حد تک اسلام کے شرعی قوانین کا پابند بنائیں گے، فرائض و واجبات کی ادائیگی کا اہتمام کریں گے، معاشرتی سطح پر ستر و حجاب کے احکامات پر عمل کریں گے، عریانی وفحاشی کے حملوں سے اپنے آپ کو بچائیں گے اور معاشی سطح پر رزق حلال پر اکتفا کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی ہر حرام کردہ شے سے دور رہیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی سطح پر توبہ کے لئے اس جدوجہد کا حصہ بنیں گے جو وطن عزیز میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے لئے جاری ہے۔ اس مقصد کے لئے اپنا تن، من، دھن سب کچھ لگا اور کھپا دیں گے۔ اگر ہم نے یہ سب کچھ کرلیا تو ہم پر سے عذاب ان شاء اللہ اسی طرح ٹل جائے گا جس طرح قوم یونسؑ پر اللہ تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا تھا، کیونکہ عذاب کے آثار دیکھ کر قوم یونسؑ نے توبہ کے بعد گریہ وزاری شروع کردی تھی۔

باتیں تو میں نے تقریباً ساری وہی کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے جو شجاع الدین شیخ نے بیان کی تھیں لیکن اپنی تحریر میں وہ مؤثر طرزِ بیان کہاں سے لاؤں اور وہ باڈی لینگویج جو انہوں نے دوران تقریر اختیار کی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو باڈی لینگویج دی ہی نہیں۔ میری دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شجاع الدین شیخ کی طرح قوم کے ہر نوجوان میں قرآن کریم سے تعلق کا جذبہ پیدا فرمائے، اور قرآن کی دعوت کے نتیجے میں قوم کے ہر مرد و زن میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کا داعیہ پیدا ہو اور اس کے نتیجہ میں ہماری مملکت خداداد محض نام کی نہیں بلکہ عملاً اسلامی جمہوریہ پاکستان بن کر عالم انسانیت کے لئے مینارۂ نور بن سکے۔ آمین

میں اپنے مضمون کو علامہ اقبال کے ایک شعر میں تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ پیش کر کے ختم کرتا ہوں۔

''قرآنی'' روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

## بقیہ: اداریہ

پاکستان کے خلاف اُس کی پیٹھ پر نہ ٹھونکیں۔ اگر امریکہ دنیا کو ایٹمی اسلحہ سے پاک کرنا چاہتا ہے تو پہلے اپنا ایٹمی اسلحہ ختم کرے، وگرنہ کسی ملک سے اِس مسئلہ پر نہ اُلجھے۔ اگر یہ اسلحہ ایک ملک خود رکھ سکتا ہے تو پھر وہ کسی دوسرے پر اعتراض کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ اگر امریکی یہ رویہ اختیار کریں تو پاکستانی بھی اپنے بازو اُن کے لیے کھول دیں گے۔ بعض لوگ آج کے دور میں اِس طرح کا طرزِ عمل ناممکن قرار دیں گے، دلیل یہ ہوگی کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے دنیا کو گلوبل ویلج بنا دیا ہے، لہٰذا کوئی بڑی قوت دوسرے ممالک سے اور اُن کے معاملات سے لاتعلق کیسے رہ سکتی ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر سیاہ فام صدر کا باطن بش کے باطن کی طرح سیاہ اور پلید نہ ہوا اور اُس کا ضمیر زندہ ہوا تو یہ صدفی صد ممکن ہے۔ کیا چین ایک عالمی قوت نہیں ہے؟ عسکری لحاظ سے پہلی پانچ قوتوں میں سے ہے۔ معاشی لحاظ سے اتنی مضبوط ہے کہ امریکہ سمیت ایک دنیا اُس کی مقروض ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے حوالہ سے وہ تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ وہ ہماری تجویز کردہ اِن تمام باتوں پر پہلے ہی سختی سے عمل کر رہا ہے۔ اُس کی پالیسی یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی قطعی طور پر اجازت نہیں دیتا۔ امریکی جہاز بھی اُس کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کرے تو اُسے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے گرا لیتا ہے اور ملبہ بھی واپس نہیں کرتا۔ امریکہ کو معافی مانگنے پر مجبور کر دیتا ہے لیکن کسی دوسرے کی زمین یا اُس کے وسائل کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ دوسرے کی آزادی اور خودمختاری کو قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی کمزور اور پسماندہ کیوں نہ ہو۔ یعنی نہ خود مداخلت کرتا ہے نہ کسی کو اپنے معاملات میں مداخلت کی اجازت دیتا ہے۔ دوستوں کو اپنے مشورے سے نوازتا ہے لیکن دباؤ نہیں ڈالتا، اُنہیں خود فیصلے کرنے دیتا ہے۔ یہاں تک کہ دوسرے ممالک کو اگرچہ اقتصادی مدد اپنی مرضی اور مفاد کے تحت دیتا ہے لیکن پھر اُن کی گردن پر سواری نہیں کرتا، بلکہ مدد کے انداز میں مشورے دیتا ہے۔ اگر صدر اوباما بھی امریکہ کو یہی راہ دکھائیں تو چھوٹے کمزور اور غریب ممالک اُس کی عظمت کو سلام کریں گے، وگرنہ ہر جانے والا صدر جوتوں کے سائے میں رخصت ہوگا۔

# ”میں“ تنظیم اسلامی میں کن مراحل کو طے کر کے شامل ہوا؟

حضرت گل اُستاد

زیدہ بازار میں میری دکان تھی۔ زیدہ سابقہ مردان ڈویژن کے ضلع صوابی کا ایک معروف گاؤں ہے۔ میری دوکان کے سامنے محمد امین کی دکان تھی۔ اُن کے بیٹے محمد کریم بحیثیت انجینئر سعودی عرب میں ملازم تھے۔ وہ جب بھی گاؤں آتے تھے تو میرے ہاں آتے اور ہم دونوں باہمی دلچسپی کے موضوعات پر گفتگو کرتے تھے۔ وہ تنظیم اسلامی کے رفیق تھے۔ میں نے ترجمۂ قرآن کئی بار پڑھا تھا اور خاص کر شرک فی الطاعۃ کے حوالے سے آیات میں تدبر کرتا رہتا تھا۔ محمد کریم نے مجھے بانی تنظیم اسلامی کے آڈیو کیسٹس دیئے جو میں نے بغور سنے۔ پنج پیر کے رہائشی سلیمان ولد جانس خان تنظیم اسلامی کے فعال رفیق تھے، انہوں نے تنظیم کا دفتر کھولا تھا، میں اس دفتر کو جاتا رہتا تھا۔ وہ کئی بار مجھے اجتماع کے لئے لاہور لے گئے۔ وہ پنج پیر کے ایک صاحب رئیس خان کے حجرے میں ہر اتوار کو ڈاکٹر صاحب کے درس قرآن کا ایک کیسٹ بھی سناتے تھے، میں اور دیگر افراد یہ درس سنتے تھے۔ 1983ء میں سلیمان کی دعوت پر بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد پنج پیر تشریف لائے اور جامع مسجد میں شرک فی الطاعت پر تقریر کی، جس سے میں بہت متاثر ہوا، اور میں نے تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کی۔ 1992ء میں تحریک خلافت کی شوریٰ ممبران کے انتخابات ہوئے تو میں پشاور میں شوریٰ کا ممبر منتخب ہوا۔ پھر شوریٰ کے اجلاس کے لئے ہر ماہ لاہور جایا کرتا تھا۔ اُس وقت جنرل (ر) ایم ایچ انصاری بھی شوریٰ کے ممبر تھے، بعد میں وہ جماعت اسلامی میں شامل ہوئے۔ شوریٰ میں، میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ جو جنت جہاد پر ملنے کا کہتے ہیں، تو وہی جنت تبلیغی بھائی نفلوں پر اور بعض دوسری نیکیوں پر ملنے کا کہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا، جنرل صاحب! حضرت گل کی بات کیسی ہے، وہ ٹھیک کہتا ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا کہ اِس وقت اِس بات کی اشد ضرورت ہے کہ لوگوں کو اسلام کے سیاسی اور معاشرتی نظام سے روشناس کرایا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ اور کشمیر سے تعلق رکھنے والے ایک ممبر شوریٰ اسلامی سیاست اور اسلامی معیشت کے بارے میں مضمون لکھ کر اگلی دفعہ لے آئیں۔ میں نے مضامین لکھے اور اگلی بار اپنے ساتھ لاہور لے گیا لیکن وہ کشمیر والے ممبر نے نہیں لکھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مدیر ندائے خلافت کو ہدایت کی کہ حضرت گل کے دونوں مضامین ندائے خلافت میں شائع کریں۔ یہ مضامین قبل ازیں کئی اور رسالوں میں بھی پہلی منزل، دوسری منزل اور تیسری منزل کے نام سے شائع ہوئے۔

ایک بار ڈاکٹر صاحب صوابی تشریف لائے اور وکلاء سے خطاب کیا۔ پھر پنج پیر آئے کہ ٹوپی میں جلسہ تھا۔ میں پنج پیر میں سلیم ایڈووکیٹ کے حجرے میں ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر صاحب سے باتیں ہو رہی تھیں کہ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تنظیم اسلامی کے متعلق کیا خیال ہے؟ میں نے کہا، یہ بہت اچھی تنظیم ہے۔ سلیم ایڈووکیٹ سابقہ رفیق سلیمان کے رشتہ دار ہیں اور وکلاء سے ڈاکٹر صاحب کے خطاب کا اہتمام بھی انہوں نے ہی کیا تھا۔ پنج پیر سے سلیمان صاحب اور میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ٹوپی گئے۔ ٹوپی میں نماز مغرب کے بعد جلسہ تھا۔ اگلی صبح ڈاکٹر صاحب پشاور تشریف لے گئے۔ وہاں سے رفیق وارث خان ڈاکٹر صاحب کی ہدایت پر میرے پاس پنج پیر آئے اور مجھ سے بیعت فارم پُر کروایا۔

یکم مئی 1992ء کو ملتان گراؤنڈ میں تحریک خلافت کا جلسہ تھا۔ اس جلسے میں میری تقریر بھی رکھی گئی تھی۔ میں نے 15 منٹ تقریر کی۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے تقریر کی، انہوں نے فرمایا کہ میرے 15 سال کی محنت کا نچوڑ اور خلاصہ گل استاد نے پیش کیا اور یوں میرا حوصلہ بڑھایا۔

تنظیم میں شمولیت کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مجھے لاہور بلایا اور مجھ سے انٹرویو کیا۔ انہوں نے عمر کے بارے میں پوچھا۔ میں نے بتایا کہ میری پیدائش 1933ء میں ہوئی۔ تاہم سکول سرٹیفکیٹ میں یہ 1935ء درج ہے۔ تعلیم کے بارے میں پوچھنے پر میں نے بتایا میں نے میٹرک پاس کیا ہے۔ مجھے معاون دعوت کے طور پر میجر (ر) فتح محمد کے ساتھ مامور کیا۔ یوں میں صوبہ سرحد میں کئی دعوتی پروگراموں میں شریک رہا۔

23 نومبر 1995ء کو میں نے بحیثیت مبتدی رفیق گڑھی شاہو لاہور میں تربیت گاہ میں شرکت کی۔ 2 اپریل 1996ء کو امیر سرحد نے مجھے ملتزم رفیق بنوانے کی سفارش کی۔ 30 مئی 1996ء کو ملتزم رفیق کی حیثیت سے مانسہرہ میں تربیت گاہ میں شرکت کی۔ ایک سال پشاور دفتر میں بطور معاون دعوت کا کام کیا۔ زیادہ تقاریر میں نے چینن جومات (سفید مسجد) میں کیں۔ محترم اشفاق میر (تنظیم اسلامی کے سینئر رفیق) میرے ساتھ مسجد میں ہوا کرتے تھے۔

میں نے قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی والا کورس بھی کیا اور اُس میں 97 فیصد نمبر حاصل کیے۔ ترجمہ قرآن کا امتحان بھی دیا تھا اور 50 فیصد نمبر حاصل کیے۔ اِن دنوں میں عمر کے آخری حصے میں ہوں۔ مجھے شوگر کا مرض لاحق ہے۔ میں نے ایک آنکھ کا آپریشن بھی کرایا ہے۔ رفقاء، امراء اور ناظمین صاحبان سے گزارش ہے کہ مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں۔ میرا موجودہ کام یہ ہے کہ نماز عشاء کے بعد ایک رکوع کا درس دیتا ہوں۔ بالعموم پنج پیر محلہ حسن خیل کی مسجد میں اور کبھی کبھار دیگر مسجدوں میں جمعہ کا خطبہ بھی دیتا ہوں۔ جب صحت ٹھیک ہو اور گاؤں سے باہر جانا ہو تو وہاں بھی نماز کے بعد بیان کرتا ہوں۔ میرے زیادہ تر بیانات قرآن مجید کے حقوق اور نظام خلافت کے متعلق ہوتے ہیں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ والسلام مع الاکرام

# دو ظالم بادشاہوں کو پڑنے والے جوتوں میں فرق

امجد رسول امجد

جوتا انسان کے پاؤں کو گرد وغبار اور ٹھوکروں سے بچا بچا کے رکھتے ہوئے سکھ اور سکون دے تو انسان اس کی تعریف کرتے ہوئے نہیں تھکتا اگر یہی جوتا انسان کے پاؤں زخمی کرنے شروع کر دے تو بندہ اسے اتار کر کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ جوتا اگر پاؤں میں سکون اور عزت سے رہے تو مالک کی شخصیت کو نکھارتا ہے۔ اگر اپنے مطلوبہ کردار سے انحراف کر جائے تو غیر معمولی حالات کی عکاسی کرنے لگتا ہے۔ جیسا کہ جوتا کوئی دور سے دکھادے تو توہین اور بے عزتی کا موجب بنتا ہے۔ کوئی کسی کو جوتے کی نوک پہ رکھے تو یہ انسان کا سب سے تھرڈ کلاس اور گھٹیا مقام ہوتا ہے۔ خدانخواستہ اگر کوئی جوتے مارے تو اسے ذلت کی انتہا تصور کیا جاتا ہے۔ گویا جوتے مارنے والا یہ پیغام دے رہا ہوتا ہے کہ تم اتنے قابل نفرت ہو کہ اس وقت میرے پاس ان جوتوں کے علاوہ کوئی اور حقیر ہتھیار ہوتا تو میں تمہاری ’’خدمت‘‘ کے لئے اسے بھی استعمال کرتا۔ جوتوں کے نشیب وفراز کو سمجھنے والے سیانے کہتے ہیں کہ ٹخنوں پر لگنے والا جوتا یہ پیغام دیتا ہے کہ اپنی چال ٹھیک کرو، سینے پر پڑنے والا جوتا یہ کہتا ہے کہ اپنا قبلہ درست کرو، پیٹھ پر لگنے والا جوتا کہتا ہے کہ اپنی اداؤں پر غور کرو، ماتھے پر لگنے والا جوتا کہتا ہے کہ ماتھے کے سلوٹ درست رکھو، آنکھوں پر لگنے والا جوتا کہتا ہے کہ نگاہوں میں حیا پیدا کرو، منہ پر لگنے والا جوتا کہتا ہے کہ زبان کو لگام دو اور سر میں لگنے والا جوتا کہتا ہے کہ ضمیر کا علاج کرواؤ اور دماغ کو کنٹرول میں رکھو۔ دنیا کا دستور ہے کہ کوئی چپڑاسی اور کلرک سے لے کر وزیر یا بادشاہ تک اپنے دن پورے کر کے جانے لگتا ہے تو اس کے آس پاس کے لوگ اُس کے سابقہ رویے کے مطابق اُسے رخصت کرتے ہیں۔ پارٹیاں اور ڈنر دیے جاتے ہیں۔ پھولوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں۔ تحفوں سے نوازا جاتا ہے، حسب توفیق جانے والے کی یاد میں سیمینار اور جلسے ہوتے ہیں، اور نہایت عزت سے الوداع کیا جاتا ہے، تاکہ یہ لمحات گزرے دنوں کی یاد دلاتے رہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جس انسان نے عاجزی اختیار کرتے ہوئے رب کی مخلوق کی خدمت کی اور رب کا حکم مانا، رب تعالیٰ نے اسے دنیا میں عزت سے نوازا اور مرنے کے بعد بھی اُسے بلندیاں اور سرفرازیاں عطا فرمائے گا۔ صدیوں پہلے ایک کافر بادشاہ نمرود کی گردن میں سریا فٹ ہو گیا اور ایسا تناؤ آیا کہ خدا بن بیٹھا۔ پولیس، فوج اور مال و دولت پر گھمنڈ کرنے لگا، ظلم کا بازار گرم رکھتا، اپنی پوجا کراتا۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کی حتمی شکل اختیار کر جاتا۔ جب یہ ظلم اور تکبر کی دلدل میں اتر گیا تو تمام جہانوں کے اصل اور حقیقی مالک نے اُس پر واضح کیا کہ میں دنیا میں لوگوں کو بادشاہ بنا کر آزماتا ہوں اور کبھی کبھی انسان کا کیا ہوا اس دنیا میں اس کے آگے رکھ دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لنگڑے مچھر کو حکم دیا اور وہ اس گستاخ، ظالم اور بے رحم بادشاہ کے دماغ میں گھس گیا۔ اب یہی ظالم بادشاہ جو اپنے آپ کو رب کہلاتا تھا اور دنیا کے مال و دولت پر بڑا ناز کرتا تھا، لوگوں کو اپنے پلے سے دولت دے کر اپنے سر میں جوتے مروانے لگا۔ جب اسے جوتے پڑتے تو سر درد ٹھیک ہو جاتا۔ تھوڑی دیر کے بعد مچھر پھر اپنا کام شروع کرنا شروع کر دیتا۔ درباری پھر جوتوں کی بارش کرنے لگ جاتے تو اسے سکون اور چین نصیب ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس ظالم بادشاہ نمرود کو پولیس، فوج، مال و دولت، کرسی اور تخت و تاج سمیت ذلیل وخوار کر کے یہ پیغام دیا کہ لوگو رب وہ نہیں ہوتا جس کے سر میں جوتے پڑیں بلکہ رب وہ ہوتا ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں سارے جہانوں کے بادشاہوں کی ڈور ہوتی ہے۔ آج بھی دنیا میں امریکہ بہادر کا ایک کافر بادشاہ ایسا آیا جو اپنے آپ کو دنیا کے بادشاہوں سے سپر تصور کرتا رہا۔ تمام اسلامی اور غریب ممالک کا اس نے جینا حرام کر کے رکھ دیا۔ جہاں پر اسے قدرتی ذخائر اور مالی فوائد نظر آتے، ڈالر اور بارود لے کر پہنچ جاتا۔ جہاں سے اللہ اکبر کی صدا سنتا اسے طاقت کے ساتھ کچلنے کی پوری کوشش کرتا۔ کسی سے صلح کرے، جنگ کرے، کوئی اسے پوچھنے والا نہیں تھا۔ یہ پوری دنیا پر حکومت کرنے کی مستی اور طاقت کے نشہ میں جسے چاہے شرافت کا لائسنس دیتا رہا اور جسے چاہے اُس پر دہشت گردی کا لیبل لگاتا رہا۔ یہ اسلام دشمنی میں اتنا دور نکل گیا کہ اکثر و بیشتر بہانے بنا بنا کر اور چن چن کر مسلمانوں کو قتل کرتا رہا۔ کبھی فلسطین کا جینا حرام کر دیا، کبھی عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی، کبھی افغانستان میں نہتے اور معصوم مسلمانوں کو خون میں نہلا دیا۔ کبھی پاکستان پر علانیہ حملوں کی صورت میں لوگوں کے گھروں اور مساجد پر بمباری کردی، مگر سوہنے رب کی لاٹھی بے آواز ہے۔ تمام جہانوں کے رب نے اس ظالم بش کو اس ظالم نمرود کی طرح جوتا باری کے ذریعے سمجھایا۔ اُس ظالم نمرود کو بھی جوتے پڑتے تھے اس ظالم بش کو بھی جوتے پڑے ہیں۔ دونوں ظالم بادشاہوں کے جوتے پڑنے میں فرق یہ ہے کہ نمرود کو جب جوتے پڑتے تھے تو صرف درباری یہ نظارہ دیکھا کرتے تھے۔ اور عام رعایا تقدیر کے ہاتھوں اپنے بادشاہ کی ’’خدمت‘‘ ہوتے ہوئے نہ دیکھ پاتے مگر آج کے ظالم بادشاہ بش کی جوتوں کے ذریعے ’’مرمت‘‘ کا منظر ساری دنیا نے اپنی جاگتی آنکھوں سے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کی طرح عبرت کے لئے اس سین کو ریکارڈنگ کی صورت میں محفوظ کر دیا، تاکہ قیامت تک آنے والے ظالم، جابر اور تکبر کے نشے میں مست اسلام دشمن کافر اس سے سبق حاصل کر سکیں۔ اگر کوئی اہل نظر، اہل ضمیر اور اہل ایمان سمجھے تو یہ ہے دو ظالم بادشاہوں کو پڑنے والے جوتوں میں فرق۔

ضرورت رشتہ

☆ لاہور کی رہائشی پنجابی فیملی کو اپنے آئی ٹی انجینئر بیٹے، عمر 29 سال، قد 6 فٹ، اعلیٰ عہدے پر فائز (جاب دبئی)، نہایت اچھی تنخواہ کے لئے مختصر فیملی سے اعلیٰ تعلیم یافتہ، ایم اے / ایم ایس سی دراز قد دینی مزاج کی حامل بیٹی کا رشتہ درکار ہے۔ لاہور کے رہائشی والدین بلاذات رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: 0333-4382405

# ہمارا اصل دشمن

جاوید چودھری

میں 2004ء میں ڈیلفی گیا تو مجھے اس کی دلفریبی نے مبہوت کر دیا۔ یہ ایک سرسبز و شاداب پہاڑ ہے، اس پہاڑ کی اترائیوں پر صاف ستھرا سا ٹاؤن آباد ہے اور اس ٹاؤن سے نیچے دور نیلے سمندر کا ایک کونا دکھائی دیتا ہے۔ میں ایک رات ڈیلفی میں رہا اور میں نے یہ رات اطالوی ریستوران کے ٹیرس پر بیٹھ کر گزار دی۔ ڈیلفی میں ہزار قبل مسیح میں ایک مندر (ٹیمپل) بنا تھا، یہ یونان کا متبرک ترین مندر تھا، مندر کے گرد ایک تھیٹر، ایک وسیع سٹیڈیم اور شاہی مہمان خانے تھے، یہ مندر بعد ازاں تباہ ہوا، اس پر لینڈ سلائیڈنگ ہوئی اور یہ مٹی میں دفن ہو گیا لیکن پھر انیسویں صدی میں اس کے آثار دریافت ہوئے اور آج کل یہ دنیا بھر کے سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ میں نے ڈیلفی کا تذکرہ پہلی بار یورپ کے فاتح مارشل منٹگمری کی کتاب میں پڑھا تھا، منٹگمری نے لکھا تھا، قدیم یونان کے بادشاہ فوجی مہموں سے قبل اپنے سفیر ڈیلفی بھجواتے تھے، مندر کے صحن میں سنگ مرمر کا ایک چبوترا ہوتا تھا، یہ سفیر چبوترے پر بیٹھ کر ڈیلفی کی دیوی سے سوال پوچھتے تھے، ڈیلفی دیوی کے پروہت بعد ازاں سفیر کو دیوی کی منشا Convey کرتے تھے۔ مارشل منٹگمری نے لکھا: قبل مسیح میں یونانی ریاست سپارٹا دنیا کی سپر پاور تھی، سپارٹا کے حکمرانوں کا خیال تھا کہ یہ ریاست کبھی زوال پذیر نہیں ہو گی، ایک بار سپارٹا کے بادشاہ نے اپنا سفیر ڈیلفی بھجوایا اور سفیر نے مندر میں دیوی سے سوال کیا ''کیا سپارٹا بھی کبھی زوال پذیر ہو گا'' مندر کے اندر سے جواب آیا ''ہاں'' سفیر نے حیرت سے دوسرا سوال پوچھا ''کس دشمن کے ہاتھوں'' پروہت اندر گیا، واپس آیا اور جواب دیا ''لگژری کے ہاتھوں'' مارشل منٹگمری نے لکھا میں بھی ڈیلفی پہنچ کر پتھر کے چبوترے پر بیٹھ گیا اور میں نے سوچا ڈیلفی نے سپارٹا کے سفیر کو کیا خوبصورت جواب دیا تھا، واقعی لگژری بڑی بڑی ریاستوں کو کھا گئی۔

دنیا میں قومیں بنتی ہیں، برباد ہوتی ہیں، آثار قدیمہ بنتی ہیں اور پھر آثاروں پر نئی بستیاں بس جاتی ہے۔ ڈیلفی دو سو قبل مسیح تک دنیا کی پر رونق ترین جگہ تھی اور اس کی زیارت کے لئے لوگ روم سے پیدل ڈیلفی آتے تھے لیکن آج یہ مندر مٹی کا ڈھیر ہے اور اس سے ایک میل کے فاصلے پر جدید دور کا ایک جدید ترین ڈیلفی آباد ہے، جس کے کلبوں، شراب خانوں اور مساج سینٹروں میں زندگی کے نئے سفارتی تقاضے برہنہ ناچتے ہیں اور ''بابر باعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کا جواب لے کر واپس لوٹتے ہیں۔ قدیم ڈیلفی کے آثار اور جدید ڈیلفی کے ڈائننگ فلورز دنیا کو بیک وقت یہ بتاتے ہیں کہ لگژری وہ تھور، وہ سیم ہے جو دنیا کی بڑی تہذیبوں کو کھا گئی، یہ وہ عفریت ہے جو بڑی بڑی مضبوط سلطنتوں کو نگل گیا، لگژری آرام طلبی اور سستی کی بنیاد رکھتی ہے، سستی انسان کو سمجھوتے پر مجبور کرتی ہے، سمجھوتے میرٹ، انصاف اور مساوات کے اصولوں کو چاٹ جاتے ہیں، بے انصافی انسان کو ظلم پر آمادہ کرتی ہے، ظلم قدرت کے انتقام کو آواز دیتا ہے اور قدرت قوموں سے انتقام لینے کے لئے ان پر بے ایمان، حریص، نااہل، غدار اور بے وقوف لوگوں کو حکمران بنا دیتی ہے اور یوں روم کی سلطنت ہو، یونان کی بادشاہت ہو، اندلس کی ریاست ہو، مغل شہنشاہت یا پھر ترک خلافت ہو، دنیا کی بڑی مملکتیں خاک کا پیوند ہو جاتی ہیں اور تاریخ کے طالب علموں کے سوا کوئی ان کے نام تک سے واقف نہیں ہوتا۔ روم دنیا کا پہلا شہر تھا جس کی آبادی نے دس لاکھ کا ہندسہ چھوا تھا، ایک سو تین قبل مسیح میں روم میں دس لاکھ لوگ آباد تھے، حکومت پورے شہر کو گرم پانی سپلائی کرتی تھی، شہر میں نہانے کے 16 سو تالاب تھے، تمام گلیاں پکی تھیں اور رات کو حکومت ان گلیوں میں سرکاری خرچ سے مشعلیں جلاتی تھی، روم کے تمام لوگوں کے پاس ذاتی گھر اور روزگار تھا اور تمام لوگ تعلیم یافتہ تھے، روم کے تمام شہری اوسطاً ایک کلو سونے کے مالک تھے اور روم کی سلطنت چھ براعظموں تک پھیلی تھی لیکن پھر رومن ایمپائر میں لگژری داخل ہوئی، وہاں سمجھوتے، بے انصافی اور ظلم شروع ہوا اور پھر وہاں ایسے ظالم، حریص اور مفاد پرست بادشاہ آئے جن میں قوت فیصلہ کی بھی کمی تھی اور جو متلون مزاج بھی تھے۔ چنانچہ یہ سلطنت تاریخ کے اوراق میں جذب ہو گئی۔ سکندر اعظم جیسے یونان کے فاتحین مقدونیہ سے نکلے تو انہوں نے دس برسوں میں آدھی دنیا روند ڈالی، سکندر اعظم کی سلطنت دنیا کے 51 ممالک پر قائم تھی لیکن پھر اس سلطنت پر سمجھوتے، بے انصافی اور ظلم کا سورج طلوع ہوا اور یہ بھی تاریخ میں سمٹ کر رہ گئی۔ ایران بھی ایک ایسا ہی ملک تھا، ایران کا بادشاہ کسریٰ کہلاتا تھا اور اس کا حکم بھی آدھی دنیا پر چلتا تھا لیکن پھر اس سلطنت پر بھی لگژری اتری اور یہ بھی تاریخ کے سمندروں میں جوہڑ بن کر رہ گئی۔ ہندوستان چھوٹا براعظم کہلاتا تھا، اس پر مغلوں نے کم و بیش ہزار سال تک حکومت کی لیکن پھر انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کی پگڑی کھول کر اس کے گلے میں ڈال دی اور ہندوستان کے آخری مغل تاجدار نے عمر کی آخری گھڑیاں رنگون میں بارشیں گنتے گنتے گزار دیں۔ مسلمان ہمیشہ اندلس پر فخر کرتے ہیں۔ ہمیں یہ فخر کرنا بھی چاہیے کیونکہ جب لندن، پیرس اور ایمسٹرڈیم کی گلیوں میں فٹ فٹ کیچڑ ہوتا تھا، اس وقت قرطبہ شہر میں اڑھائی لاکھ پکے گھر، اسی ہزار چار سو دکانیں اور سولہ سو مسجدیں ہوتی تھیں، اس وقت قرطبہ کے ہر گھر میں لائبریری ہوتی تھی اور پوری دنیا سے کتب نیلام ہونے کے لئے قرطبہ پہنچتی تھیں، جس وقت یورپ کے آدھے باسیوں کے پاس پہننے کے لئے کپڑا نہیں ہوتا تھا اس وقت قرطبہ کے ایک فیشن ڈیزائنر زریاب قرطبی نے ٹائی ایجاد کی تھی اور اس وقت خلیفہ کے درباری کوٹ اور پتلون پہنتے تھے لیکن اس سلطنت میں بھی لگژری آئی اور اندلس کا آخری بادشاہ ابوعبداللہ محمد فرڈی ننڈ کو الحمراء کی چابیاں سونپ کر مراکش کے شہر فیض چلا گیا اور اس نے آخری عمر فیض میں بھیک مانگ کر گزار دی جبکہ پانچ برس بعد اندلس میں ایک بھی مسلمان باقی نہیں تھا۔ آپ تاریخ کی دوسری بڑی سٹیٹ اسلامی ریاست کو بھی دیکھ لیجئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اقتدار مدینہ سے رخصت ہو گیا، آج یورپ، سنٹرل ایشیا، چین، مراکش اور بیت المقدس تک پھیلی سلطنت کہاں ہے؟ بنو امیہ، بنو عباس اور ترکوں کی خلافت کہاں گئی، کیا یہ حقیقت نہیں؟ وہ اسلامی ریاست جس پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا وہ سورج کی کرنوں کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی، چنگیز خان اور ہلاکو خان کی ریاست کہاں چلی گئی، امیر تیمور کی بادشاہت 54 ممالک تک پھیلی تھی، وہ ریاست آج کہاں ہے؟ فرانس نے نوے فیصد افریقہ پر قبضہ کیا تھا، پرتگال نے ہندوستان کے دروازے

تک دستک دی تھی، برطانیہ 68 ممالک کا مالک تھا اور روس نے کرہ ارض کے آدھے حصے پر سرخ لکیر پھیر دی تھی لیکن یہ ساری سلطنتیں آج کہاں ہیں؟ کیا یہ سب ریاستیں ہوا بن کر ہوا میں تحلیل نہیں ہوگئیں، کیوں؟ کیونکہ یہ بھی لگژری کے مرض میں مبتلا ہوگئی تھیں اور ان میں بھی بے انصافی، ظلم اور سمجھوتے شروع ہوگئے تھے۔

دنیا میں کوئی قوم اللہ کی محبوب نہیں اور کوئی ریاست الہامی نہیں۔ قدرت نے انسانوں اور قوموں کی بقاء کے لئے سات اصول وضع کر دیئے، یہ اصول میرٹ، برابری، احتساب، قانون، انصاف، مضبوط دفاع اور اخلاص ہیں اور جو قوم اور جو انسان ان اصولوں پر عمل کرتا ہے، وہ قائم رہتا ہے۔ اور جو قدرت کے ان اصولوں سے منہ موڑ لیتے ہیں، وہ تباہ و برباد ہو جاتے یا ہو جاتی ہیں۔ یہ قومیں خواہ رومن ہوں، یونانی ہوں، برطانوی ہوں، ایرانی ہوں یا پھر اسلامی ہوں اور یہ انسان خواہ جولیس سیزر ہوں، دارا، سکندر اعظم، یزید یا ابو عبداللہ محمد ہوں، اگر قدرت کی نظر میں کوئی سلطنت متبرک یا الہامی ہوتی تو نبی اکرم ﷺ کی پردہ پوشی سے چند سال بعد اسلامی ریاست کا دارالحکومت مدینہ سے باہر منتقل نہ ہوتا اور یروشلم اللہ کے دشمنوں کے ہاتھوں بارہ [redacted] اور مدینہ آج پوری دنیا کے دارالحکومت ہوتے!

لیکن ایسا نہیں ہوا کیوں؟ کیونکہ مسلمانوں نے لگژری کے ہاتھوں قدرت کے ساتوں اٹل اصول قربان کر دیئے ہیں، چنانچہ آج حرم شریف میں اذان یہودی کمپنی کے ساؤنڈ سسٹم پر دی جاتی ہے اور مسجد نبویؐ کے لیے ایئر کنڈیشنڈ سسٹم عیسائی کمپنی سے خریدا جاتا ہے جبکہ 90 فیصد ٹوپیاں، جائے نمازیں اور تسبیحاں چین سے درآمد کی جاتی ہیں۔ ان حالات میں جب برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ پاکستان آتے ہیں اور پاکستان کی سرزمین پر کھڑے ہو کر دعویٰ کرتے ہیں "اگر پاکستان نے ممبئی حملوں کے مجرموں کو سزا دینے کے معاملے میں سنجیدگی کا مظاہرہ نہ کیا تو اس کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا" اور اس کے جواب میں ہمارے دانشور کہتے ہیں "یہ ملک اللہ نے بنایا تھا اور اللہ ہی اس کی حفاظت کرے گا" تو میں بے اختیار ہنس پڑتا ہوں اور اپنے آپ سے پوچھتا ہوں، کیا مدینہ کی سلطنت اللہ تعالیٰ نے نہیں بنائی تھی؟ کیا حضرت امیر معاویہؓ، کیا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، کیا خلیفہ ہارون الرشید، کیا عبدالرحمان الداخل اور کیا امیر تیمور کی سلطنت اللہ تعالیٰ نے نہیں بنائی تھی، وہ سلطنتیں کہاں ہیں؟ کیا 1971ء تک کا پاکستان اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا تھا، اگر اللہ نے بنایا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے (نعوذ باللہ) اس پاکستان کی حفاظت کیوں نہیں کی؟

اس لیے کہ دنیا کی کوئی قوم اور دنیا کا کوئی ملک اللہ کا محبوب نہیں ہوتا، اللہ ان قوموں اور ان انسانوں کا ساتھ دیتا ہے جو اس کے وضع کردہ اصولوں پر عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ظالموں، ہوس پرستوں، مفاد پرستوں، بے ایمانوں، ناانصافوں اور جھوٹوں کی مدد نہیں کرتا، وہ لوگ خواہ یونان میں ہوں یا یہ لوگ بیت المقدس یا مدینہ میں بیٹھے ہوں، قوموں کو باہر سے اتنا خطرہ نہیں ہوتا جتنا خطرہ انہیں اندر سے ہوتا ہے۔ اور یقین کیجئے، ہم بھارت کا مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن ملک کی سرحدوں کے اندر ہونے والی بے انصافی، ظلم، زیادتی اور منافقت ہمیں توڑ دے گی، یہ ہمیں تباہ کر دے گی، ہمیں بھارت سے نہیں بلکہ اپنی لگژری سے خطرہ ہے، ہمارے اصل دشمن ہم خود ہیں۔ (بشکریہ روزنامہ "ایکسپریس")

## دعائے مغفرت کی اپیل

☆ قرآن اکیڈمی شعبہ خط و کتابت کے اسسٹنٹ اور رفیق تنظیم اسلامی امجد علی کے والد وفات پاگئے

☆ تنظیم اسلامی راولپنڈی غربی کے رفیق ریحان ضیاء کی والدہ ماجدہ وفات پاگئیں

☆ تنظیم اسلامی اسلام آباد کے ملتزم فیصل عقیل کی والدہ اور پھوپھی وفات پاگئیں

☆ تنظیم اسلامی پنجاب جنوبی کے ملتزم رفیق ضیاء محمود اعوان دل کے عارضے سے وفات پاگئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ رفقاء و احباب اور قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے

## تنظیمی اطلاع

☆ امیر تنظیم اسلامی نے مرکزی عاملہ کے اجلاس منعقدہ 24 دسمبر 2008ء میں رفقاء کی آراء اور امیر حلقہ کی سفارش کو مدنظر رکھتے ہوئے مشورہ کے بعد جناب نعیم غفور شیخ کو مقامی تنظیم لاہور چھاؤنی کا امیر مقرر فرمایا۔

☆ امیر تنظیم اسلامی نے مرکزی عاملہ کے اجلاس منعقدہ یکم جنوری 2009ء میں امیر حلقہ کی تجویز کو مدنظر رکھتے ہوئے مشورہ کے بعد جناب محمد نواز کو مقامی تنظیم ٹوبہ ٹیک سنگھ کا امیر مقرر فرمایا۔

[redacted]

## موجودہ پریشان کن صورت حال ہمارے گناہوں کی سزا ہے

## اب ہمارے بچاؤ کا واحد راستہ اللہ کی جناب میں سچی توبہ اور اپنے اعمال کی اصلاح ہے

### حافظ عاکف سعید

عالم کفر متحد ہو کر مملکت خداداد پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کر چکا ہے لیکن حکمران اقتدار کے نشے میں مست ہیں۔ ایک طرف مراعات یافتہ طبقے کا ہر دن اور ہر رات عید و شب برأت کا نظارہ پیش کر رہا ہے تو دوسری طرف عوام کی اکثریت دو وقت کی روٹی، بجلی، گیس اور پانی کے بلوں کی ادائیگی کے چکر میں تن من کا ہوش کھو چکی ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے اختتام پر کہی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان اس وقت تاریخ کے نازک ترین موڑ سے گزر رہا ہے۔ ان حالات میں ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ایسا کیوں ہے اور ہم کس طرح ان مشکلات سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ دراصل ہم نے قیام پاکستان کے وقت اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اے اللہ تو ہمیں ایک قطعۂ اراضی عطا فرما دے، ہم اس میں تیرا دین نافذ کریں گے۔ لیکن ہم نے محمد عربی ﷺ کے لائے ہوئے دین حق کو قائم و نافذ کرنے کی بجائے بے حیا ابلیسی تہذیب اور سودی معیشت کو اپنا شعار بنایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کی رحمت ہم سے روٹھ گئی۔ گزشتہ 62 سالوں کے دوران ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے ہم پر اللہ کے عذاب کے متعدد کوڑے برستے رہے۔ ہمارا ایک بازو ہم سے کٹ گیا اور ہمیں بھارت کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ موجودہ پریشان کن صورت حال بھی ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔ لیکن اب بھی ہمارے لیے موقع ہے۔ ہمارے بچاؤ کا واحد راستہ اللہ کی جناب میں سچی توبہ اور اپنے اعمال کی اصلاح ہے۔ اگر ہم آج دین اسلام پر عمل پیرا ہو جائیں اور دین حق کے غلبہ و قیام کے لیے اجتماعی جدوجہد کریں تو اللہ کی رحمت و نصرت کے ساتھ دشمن کے عزائم اور سازشوں کو ناکام بنا سکتے ہیں۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

## ماہِ دسمبر میں تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں حیدرآباد کی دعوتی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں حیدر آباد کے زیر اہتمام جاری دروس اعجازِ قرآن کے سلسلہ کا اختتامی درس جمعرات 4 دسمبر 2008ء کو بعد نماز مغرب حلقہ کے مرکز میں ہوا، جس میں رفقاء، احباب اور قرآن فہمی کورس کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ امیر حلقہ شفیع محمد لاکھو نے اختصاراً الم سے والناس تک ملٹی میڈیا کے ذریعہ قرآن مجید کے بعض اسالیب مختلف زاویوں سے بیان کیے، جن کی باریکیوں سے نہ صرف عربی گرامر سیکھنے والوں پر قرآن کے نئے اُفق روشن ہوئے بلکہ دیگر حاضرین بھی ان عجائبِ قرآن کو دیکھ کر نہایت مسحور ہوئے۔ انہوں نے برملا اسے اپنی علمی صلاحیتوں میں گرانقدر اضافہ کا سبب قرار دیا اور مستقبل میں ایسے پروگراموں کے جاری رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ درس کے بعد شرکاء کھانا کھا کر رخصت ہوئے۔

امیر حلقہ شفیع محمد لاکھو عیدالاضحی کی تعطیلات کے دوران اپنے آبائی گاؤں بھریا سٹی اور اُس کے قرب وجوار کے علاقوں ٹھارو شاہ، نوشہرو فیروز، خان واھن گئے، جہاں اُن بہت سے احباب نے اُن سے ملاقات کی جو نہ صرف پہلے ہی امیرِ محترم کے دروس سے بخوبی واقف تھے بلکہ ان میں سے ایک صاحب (جنہوں نے گزشتہ رمضان میں دورۂ ترجمہ قرآن، تراویح میں شرکت کی تھی) اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے اس نہج پر اپنے علاقہ میں کیبل کے ذریعہ ڈاکٹر اسرار احمد کے دروس کو لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ امیر محترم نے ان علاقوں میں دعوتی سرگرمیوں کو مزید بہتر اور فعال بنانے کے ضمن میں اقدامات پر زور دیا۔ (رپورٹ: علی اصغر عباسی)

## تنظیم اسلامی لاہور شرقی کے زیر اہتمام ماہانہ دعوتی و تربیتی پروگرام

تنظیم اسلامی لاہور شرقی کے زیر اہتمام ماہانہ دعوتی پروگرام 20 دسمبر 2008ء بروز ہفتہ مسجد بلال ٹاؤن شپ میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز بعد از نماز عشاء عبداللہ محمود کے درس قرآن سے ہوا۔ اِس پروگرام میں مقامی نمازی (اکیڈمی کے طلبہ) اور رفقاء تنظیم نے شرکت کی۔ مدرس نے سورۃ البقرہ کی اُن آیات کو منتخب کیا جن کا تعلق بنی اسرائیل کو دیئے گئے احکامات سے تھا۔ انہوں نے بنی اسرائیل کا موازنہ موجودہ امت مسلمہ سے کیا۔ اور واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے ساتھ جو سلوک بنی اسرائیل نے کیا اگر وہی رویہ موجودہ امت مسلمہ اختیار کرے گی تو اس کا نتیجہ بھی بنی اسرائیل جیسا ہوگا۔

عبداللہ محمود نے ”اقامت دین اور ہمارے گھر“ کے عنوان سے ایک کتابچے کا اجتماعی مطالعہ بذریعہ وائٹ بورڈ پر کروایا۔ اِس میں سوال وجواب کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ رفقاء اور احباب نے اس میں گہری دلچسپی قائم رکھی۔ ایک بجے چائے کا وقفہ ہوا۔ وقفہ کے بعد دوبارہ اقامت دین اور ہمارے گھر کے نا تمام موضوع کو مکمل کیا گیا۔

اس کے بعد مقامی ناظم دعوت ارسلان آصف نے سورۃ الحشر کی اُن آیات کا درس دیا جن میں آخرت کے حوالے سے تذکیر تھی۔ درس کے آخر میں کچھ سوال وجواب بھی ہوئے۔ درس قرآن کے بعد عام نمازی تو چلے گئے اور رفقاء واحباب شب بیداری کے لیے موجود رہے اور وقفے وقفے سے مزید رفقاء واحباب بڑھتے رہے۔

درس حدیث رشید ارشد نے دیا۔ انہوں نے انفاق سبیل اللہ کے حوالے سے احادیث بیان کیں۔ رفقاءِ تنظیم کو اس پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

پروگرام کے اِس مرحلہ میں وقاص زیاد (نقیب) نے سیرت النبیؐ پر کتاب ”الرحیق المختوم“ کا تعارف تفصیلاً بذریعہ وائٹ بورڈ کروایا۔ چونکہ مقامی تنظیم شرقی کی سطح پر یہ طے کیا گیا کہ اس کتاب کا مطالعہ اُسرہ کے سطح پر ضرور کیا جائے گا، لہٰذا تفصیل سے اِس کی افادیت پر روشنی ڈالی گئی۔

آخر میں تمام رفقاء نے اِس کے مطالعہ کا عہد کیا۔ اور طے کیا گیا کہ آئندہ اُسرے کے علاوہ ماہانہ شب بیداری پروگرام میں اِس کتاب کو مطالعہ کے لئے خصوصی اہمیت دی جائے گی۔

آخر میں جناب امتیاز ناظم مالیات شرقی تنظیم نے تنظیم کی مختصر دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا۔ رات گیارہ بجے دعا پر یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ: محمد احمد)

## تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی کا معاشرتی برائیوں کے خلاف مظاہرہ

24 دسمبر 2008ء کو تنظیم اسلامی سرحد شمالی کے تمام نقباء اور اُمراء کا ایک اجلاس بلایا گیا، جس میں درج ذیل اہم اُمور زیرِ بحث لائے گئے۔

1۔ مظاہرہ 2۔ ہفتۂ توبہ واستغفار 3۔ نقیب اُسرہ کے لئے موزوں رفقاء
4۔ انفاق 5۔ نظام العمل کا تقاضا

درج بالا پانچ نکات پر گفت وشنید ہوئی، اور انہیں عملی جامہ دینے کے حوالہ سے امیر حلقہ نے ترغیب وتشویق دلائی۔ خاص طور پر نظام العمل پر عمل درعمل کرنے کے حوالہ سے ذمہ داران کو تاکید کی گئی۔ بعد ازاں امیر حلقہ کی ہدایت کے مطابق راقم نے نظام العمل پر ایک مذاکرہ بھی کرایا، جو دو گھنٹے تک جاری رہا۔ اگلے روز 25 دسمبر کو تیمر گرہ بازار میں صبح 11 بجے معاشرتی برائیوں کے خلاف خاموش اور پرامن مظاہرہ کیا۔ 70 رفقاء واحباب کے اس قافلہ نے ریسٹ چوک سے اپنے پروگرام کا آغاز کیا۔ شرکاء نے بینرز اور ٹی بورڈز اُٹھا رکھے تھے جن پر قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور اقبال کے فارسی اور اردو اشعار اور حکومتی اور عوامی سطح پر جاری منکرات کے خلاف نعرے درج تھے۔ شرکائے مظاہرہ بازار کا چکر لگا کر پریس کلب پہنچے، جہاں اُن سے امیر حلقہ نے خطاب فرمایا۔ امیر حلقہ نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہماری موجودہ زبوں حالی، تشویش ناک صورت حال میں جہاں پاکستانی حکمرانوں (موجودہ وسابقہ) کی بے تدبیریوں، غلط پالیسیوں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تحریکِ پاکستان کے وقت کیے ہوئے وعدوں سے انحراف کا بہت بڑا ہاتھ ہے، وہاں معاشی استحصالی نظام، بے خدا سیاسی نظام کے علاوہ معاشرتی برائیاں اور منکرات بھی تباہی کا سبب بن رہی ہیں۔ روشن خیالی، نام نہاد اعتدال پسندی، مادر پدر آزادی، فحاشی و عریانی، مخلوط محافل، آزادیٔ نسواں کے نام پر اباحیت اور حقوقِ نسواں کے نام پر اللہ تعالیٰ کے حدود کو پامال کرنے کی جرأت، ایسے معاشرتی جرائم ہیں جن کی وجہ سے ملت اسلامیہ پاکستان ایک خوفناک گہری کھائی کی طرف بگٹٹ دوڑ رہی ہے۔ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے امیر حلقہ نے کہا، یہ برائیاں ہمارے معاشرے کے لیے دیمک کی طرح ہیں اور یہ ہماری اجتماعی عزت وغیرت کا جنازہ نکال رہی ہیں۔ چنانچہ ہم امریکہ و یورپی اقوام (یعنی یہود و نصاریٰ) کی بدمعاشیوں کے جواب میں معذرت خواہانہ اور غلامانہ انداز اپنائے ہوئے ہیں۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ اب ”ہندو“ جس پر ہم نے ہزار سال تک حکومت کی آج ہمیں دانت دکھا

رہا ہے اور ہم اس سے دبکتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ہماری اجتماعی زندگی میں در انداز ہونے والے منکرات ہی کا شاخسانہ ہے۔ انہوں نے قوم سے اپیل کی وہ عوامی اور حکومتی دونوں سطح پر اپنی ایمانی طاقت کو مجتمع کر کے ان برائیوں کے خلاف جہاد کرے، ان کے خلاف لوگوں میں شعور بیدار کرے، اور یوں اپنی گمشدہ متاعِ ایمان اور غیرت کو بازیاب کرانے کی کوشش کرے۔ اس ضمن میں عوام وخواص، علماء و سیاستدان، بیوروکریٹ اور حکمران تمام لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق منکرات، اور غیر اسلامی اقدار کے خلاف ایک عزم نو کر کے اپنا فریضہ ادا کریں۔ بصورتِ دیگر اللہ کے عذاب کے کوڑے اسی طرح برستے رہیں گے، اور ہم مزید پستی کی طرف لڑھکتے جائیں گے۔ (مرتب: شاہ وارث)

## تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کا تربیتی پروگرام

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کے زیر اہتمام ایک تربیتی پروگرام 27 دسمبر 2008ء بروز ہفتہ المیزان پبلک سکول اپر ملک پورہ ایبٹ آباد میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز مغرب مقامی امیر تنظیم جناب ذوالفقار علی کے درس قرآن سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ الحج کے آخری رکوع کے حوالے سے امت مسلمہ کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کی جامعیت سے بیان کیا۔ بعدازاں راقم نے مولانا شبلی نعمانی کی تصنیف سیرت النبی ﷺ سے نبی اکرم ﷺ کے صبح سے شام تک کے معمولات بیان کئے۔ بعد نماز عشاء جناب محمد ہارون قریشی نے ”التزام جماعت اور لزوم بیعت“ کے موضوع پر گفتگو کی۔ انہوں نے واضح کیا کہ دینِ اسلام کا مزاج جماعتی ہے، اسلام میں اجتماعیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور جماعت کے لیے منصوص، مسنون اور ماثور اساس بیعت ہے۔ اس کے بعد مقامی ناظم تربیت نے مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھنے کی دعا یاد کروائی اور دعائے قنوت کا ترجمہ بیان کیا۔ اعادہ حفظ اور تجوید کی ذمہ داری محمد سلطان نے نبھائی۔

اس کے بعد ثاقب رحمان نے آداب زندگی میں سے نظم جماعت اور دعوت وتبلیغ کے آداب بیان کئے۔ بعدازاں راقم نے اسلام آباد مظاہرے کے تاثرات بیان کئے۔ آخر میں حالاتِ حاضرہ پر گفتگو ہوئی جس کا حاصل یہ تھا کہ اجتماعی توبہ ہی نجات کا واحد راستہ ہے۔ دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔ اللہ تعالیٰ رفقاء کی یہ سعی قبول و منظور فرمائے اور اسے ہم سب کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ (آمین) (مرتب: اسد قیوم)

## تنظیم اسلامی ملتان شہر کے زیر اہتمام شب بیداری

تنظیم اسلامی ملتان شہر کے زیر اہتمام 27 دسمبر بروز ہفتہ شب بیداری کا پروگرام قرآن اکیڈمی ملتان میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز مغرب تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ تلاوت کی سعادت جام عابد کے فرزند احسان الکریم نے حاصل کی۔ انہوں نے سورۂ رحمٰن کی تلاوت سے رفقاء کے دلوں کو منور کیا۔ تلاوت قرآن کے بعد معتمد تنظیم جام عابد نے پروگرام کی تفصیل بتائی۔ اس کے بعد مقامی امیر تنظیم ڈاکٹر طاہر خاکوانی نے سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے حوالے سے درس دیا۔ انہوں نے کہا کہ التزام شکر الٰہی اور اجتناب عن الشرک، یہ دونوں چیزیں اگر حاصل ہو جائیں تو گویا ایمان باللہ اور اس کی مطلوبہ کیفیات انسان کو پوری طرح حاصل ہو جائیں گی۔ انہوں نے کہا کہ حکمت کی اصل اساس یہ ہے کہ قلب انسانی میں خالق اور رب کی جو معرفت ودیعت شدہ لیکن خوابیدہ حالت میں ہے، اس کی جوت کو اپنے قلب و ذہن میں جگائے۔ گویا فطرت کی صحت اور فکر کی سلامتی کا لازمی نتیجہ ”شکر“ ہے۔ اور سلامتی عقل اور درستی فکر و نظر کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنے پروردگارِ حقیقی کو پہچان لے، جس طرح حضرت لقمانؑ نے جن کو اللہ نے دانائی اور حکمت عطا کی اپنی فطرت صحیح اور عقل سلیم کی روشنی میں توحید کی معرفت اور جذبۂ شکر سے سرشار ہونے کی سعادت حاصل کی۔ نماز عشاء سے فراغت کے بعد پروگرام کے دوسرے حصے کا آغاز نقیب اسرہ قرآن اکیڈمی منور حسین کی گفتگو سے ہوا۔ انہوں نے کتاب ”آسان فقہ“ میں سے وضو کی شرائط، سنت اور مکروہات سے رفقاء تنظیم کو آگاہ کیا۔

پروفیسر ریاض الرحمان نے جو بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے پروفیسر ہیں، درس حدیث دیا انہوں نے اس حدیث کو بیان کیا کہ جس نے جس قوم سے مشابہت اختیار کی وہ اُسی میں شمار ہوگا، جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج یہود اور نصاریٰ پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں پر دجالی تہذیب مسلط کر رہے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو اخلاقی طور پر کمزور کرنے کی حکمت عملی اختیار کر رکھی ہے افسوس کہ ہم اِس کا مقابلہ کرنے کی بجائے بے سوچے سمجھے اس کی پیروی کر رہے ہیں۔

ساڑھے آٹھ بجے مظہر نواز صدیقی نے سیرت حضرت عمرؓ پر روشنی ڈالی۔ پروگرام کے آخر میں جام عابد نے ”بچوں کی تربیت“ کے موضوع پر لیکچر دیا۔ انہوں نے آیت قرآنی ”بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر بننے والے ہیں“ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ بچوں کو اعلیٰ اخلاق اور دینی تعلیم سے روشناس کرانا والدین کا فرض ہے۔

ساڑھے نو بجے کھانا کھانے کے بعد مسنون دعا پر یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ تقریباً 16 رفقاء نے رات مسجد میں گزاری۔ (مرتب: ناصر انیس خان)

## حلقہ بالائی سندھ کے زیر اہتمام فحاشی وعریانی کے خلاف مظاہرہ

مظاہرہ کی پہلے سے بھرپور تشہیر کی گئی اور دو دن 26 اور 28 دسمبر (جمعہ، اتوار) کو رفقاء نے پانچ ہزار ہینڈ بلز تقسیم کیے۔ جمعہ کے روز شہر کی اہم مساجد کا انتخاب کیا گیا اور بعد نماز جمعہ 3000 ہینڈ بلز تقسیم کئے گئے، جب کہ اتوار کو شہر کے دو اہم مقامات، سکھر بائی پاس اور سکھر بس ٹرمینل کو چنا گیا جہاں رفقاء نے ہزار ہینڈ بلز تقسیم کئے گئے۔

29 دسمبر 2008ء بروز پیر شام تین بجے سفید جامع مسجد سے مظاہرہ شروع ہوا اور قافلہ کی شکل میں گھنٹہ گھر پہنچا۔ رفقاء نے بینرز، ٹی بورڈز اور جھنڈے اٹھا رکھے تھے۔ مظاہرہ کی قیادت امیر حلقہ جناب غلام محمد سومرو نے کی۔ اس موقع پر مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج ہمارا معاشرہ جس اخلاقی دیوالیہ پن، دنیا پرستی، فرقہ پرستی اور بے حیائی و بے پردگی کا شکار ہے، اس کا اصل سبب دین سے دوری ہے۔ آج کا معاشرتی نظام ایک طاغوتی نظام کا حصہ ہے اور نام نہاد روشن خیالی کے ذریعہ شرم وحیا کے تصورات اور پردے کو ختم کیا جا رہا ہے، لہٰذا اب ہمیں کمر کس کر اس دجالی نظام کو بدلنے کے لئے اسلامی انقلاب کی جدوجہد کو زندگی کا ہدف بنانا ہوگا۔ آخر میں امیر حلقہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس طاغوتی نظام کو ناکام بنانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم اسلامی اقدار کو اپنے ملک میں عام کرنے کی جدوجہد کریں اور رسول عربی ﷺ کا ارشاد کہ ”حیا اسلام کا خلق ہے“ کے مطابق خود بھی حیادار بنیں اور بے حیائی کو معاشرہ سے ختم کرنے کی کوشش کریں اور پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنائیں، وگرنہ اندیشہ ہے کہ کہیں ہم خود بھی اللہ کے دشمنوں میں شامل ہونے لگیں۔ نماز عصر سے قبل امیر حلقہ نے اختتامی دعا کرائی اور اس کے ساتھ ہی مظاہرہ کا اختتام ہوا۔ مظاہرہ میں رفقاء نے 3000 ہینڈ بلز بھی تقسیم کئے۔ مظاہرہ میں شاہ پنجو، پھلجی، دادو اور صادق آباد سے رفقاء سفر اور سردی کی تکالیف جھیل کر شامل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے آنے اور وقت لگانے کو توشۂ آخرت بنائے۔ (آمین) (رپورٹ: نصر اللہ انصاری)